سانحہ ٹوپی

1974ء کے خون آشام دور کے ایمان افروز واقعات

تحریر کردہ

صوبیدار عبدالغفور خان

سابق افسر حفاظت ربوہ و درویش قادیان

ترتیب وتبویب

محمد اجمل شاہد

سابق مربی سلسلہ پشاور

سابق امیر و مشنری انچارج نائیجیریا

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (البقرہ)

کتنی ہی کم تعداد جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے کثیر التعداد جماعتوں پر غالب آ گئیں۔

طالب دعا
عاجزہ امتہ الفتوح
والدہ طاہر احمد
3/6/2012

سانحہ ٹوپی

(1974ء کے خون آشام دَور کے ایمان افروز واقعات)

تحریر کردہ

صوبیدار عبد الغفور خان

سابق افسر حفاظت ربوہ و درویش قادیان

ترتیب وتبویب

محمد اجمل شاہد

سابق مربی سلسلہ پشاور

سابق امیر و مشنری انچارج نائیجیریا

نام کتاب : سانحہ ٹوپی

تحریر کردہ : صوبیدار عبدالغفور خان

(سابق افسر حفاظت ربوہ و درویش قادیان)

ترتیب و تبویب : محمد اجمل شاہد۔سابق مربی سلسلہ پشاور

سابق امیر و مشنری انچارج نائیجیریا

تعداد : دو ہزار

سن اشاعت : 2012ء

مقام اشاعت : پوسٹ بکس نمبر 184

فیکس: 0335 200 267

ای میل: homeocare@yahoo.com

(نظارت اشاعت ربوہ سے منظور شدہ)

Published by: **Unitech Publications**
00-91-9815617814, 9872341117
www.unitechpublications.in
(Printed in India)

Printed at: **Printwell**, Amritsar

❁

فہرست مضامین

انتساب

اپنے والد گرامی جناب صوبیدار خوشحال خان صاحب کے نام جنہوں نے صوبہ خیبر پختونخواہ میں احمدیت کے پودے کی آبیاری اپنے خون سے کی۔ان کو یہ خصوصی اعزاز حاصل ہے کہ وہ اس علاقے میں پہلے فرد تھے کہ جن کو دشمنان احمدیت نے ۲۹ مئی ۱۹۴۲ء بروز جمعۃ المبارک جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے بعد اپنے گھر واپسی پر راستہ میں شہید کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ان کی دین کیلئے یہ قربانی ہی تھی کہ جس نے ہمیں یہ حوصلہ اور عزم دیا کہ دین کیلئے ہر قربانی کیلئے ہمہ وقت تیار رہیں۔خدا تعالیٰ ہمیں آئندہ بھی اس شہادت کو اپنا مشعل راہ بنانے کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے۔

اسکے ساتھ ہی خاکسار خدا تعالیٰ کے حضور جذبات تشکر کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ جس نے مجھے ان حالات کو ضبط کرنیکی توفیق دی اور پھر ان کی اشاعت کی صورت پیدا فرمادی حقیقت یہ ہے کہ خاکسار نے یہ حالات تقریباً ۳۵ سال قبل تحریر کئے تھے میری یہ دلی خواہش تھی کہ ان کی طباعت کی کوئی صورت پیدا ہوسکے لیکن اسکی عملی صورت بوجوہ پیدا نہ ہوسکی لیکن خدا تعالیٰ نے میری اس خواہش کی تکمیل کا ذریعہ مکرم مولانا محمد اجمل شاہد صاحب سابق مربی سلسلہ پشاور کو بنا دیا جنہوں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور چند ماہ میں اس مسودہ کو ایسی شکل دیدی کہ یہ کتابی صورت میں منظر عام پر آسکے انہوں نے اس کی ترتیب و تبویب کے ساتھ مفید اضافہ جات بھی کئے تا کہ قارئین کے سامنے صحیح حالات کی عکاسی ہوسکے۔خاکسار تہ دل سے انکی اس کاوش کیلئے شکر گزار ہے۔جزاہ اللہ خیراً۔

والسلام

صوبیدار عبدالغفور خان

سابق افسر حفاظت ربوہ

روچیسٹر ہل۔امریکہ 20 فروری 2012ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سانحہ ٹوپی

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک نظم جماعت احمدیہ پر آئے دن آنیوالے ابتلاؤں کا ذکر کرتے ہوئے بعنوان ''وفا کا امتحان'' تحریر فرمائی تھی جو جلسہ سالانہ امریکہ ۱۹۸۹ء میں پڑھی گئی تھی۔ اسمیں حضور نے سانحہ ٹوپی کا بھی ذکر کیا ہے اس نظم کے چند اشعار ذیل میں درج ہیں:

تیری راہوں میں کیا کیا ابتلا روزانہ آتا ہے
وفا کا امتحان لینا تجھے کیا کیا نہ آتا ہے

اُحد اور مکہ اور طائف اِنہی راہوں پہ ملتے ہیں
انہی پر شِعبِ بُو طالِب بے آب و دانہ آتا ہے

کنارِ آب جُو تِشنہ لَبوں کی آزمائش کو
کہیں کرب و بلا کا اِک کڑا ویرانہ آتا ہے

پشاور سے انہی راہوں پہ سنگستان کابل کو
مرا شہزادہ لے کر جان کا نذرانہ آتا ہے

اُسے عشق و وفا کے جرم میں سنگسار کرتے ہیں
تو ہر پتھر دمِ تسبیح، دانہ دانہ آتا ہے

جہاں اہل جفا، اہل وَفا پر وار کرتے ہیں
سرِ دَار اُن کو ہر منصور کو لٹکانا آتا ہے

کہیں ہے ماجرائے گجرانوالہ کی لہو پاشی
کہیں اِک سانحہ ٹوپی کا سفاکانہ آتا ہے

ہماری خاک پا کو بھی عدو کیا خاک پائے گا
ہمیں رکنا نہیں آتا اسے چلنا نہ آتا ہے

''تو آسمان سے اُترا خدا ہمارے لئے''

پاکستان کے ایک مایۂ ناز شاعر مکرم عبید اللہ علیم مرحوم کی نظم کے یہ چند اشعار جماعت احمدیہ پر آئے دن جارحیت کرنیوالے دشمنان احمدیت کے عزائم کی صحیح عکاسی کرتے ہیں نیز ایسے ایام کرب وبلا میں کس طرح خدا تعالیٰ کی غیر معمولی تائید ونصرت جماعت احمدیہ کے شامل حال رہی وہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے۔ ایسے نازک ایام میں جماعت بدستور خلافت کے ''عروہ وثقی'' کو تھامے ہوئے آگے بڑھتی چلی گئی۔ یہی حقیقت ''سانحہ ٹوپی'' کے ہر مرحلہ پر نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

زمین جب بھی ہوئی کربلا ہمارے لئے
تو آسمان سے اُترا خدا ہمارے لئے

اُنہیں غرور کہ رکھتے ہیں طاقت و کثرت
ہمیں یہ ناز، بہت ہے خدا ہمارے لئے

تمہارے نام پہ جس آگ میں جلائے گئے
وہ آگ پھول ہے وہ کیمیا ہمارے لئے

بس ایک لَو میں اُسی لَو کے گرد گھومتے ہیں
جلا رکھا ہے جو اُس نے دیا ہمارے لئے

❁

پیش لفظ

جماعت احمدیہ کی سوسال سے زائد عرصہ کی تاریخ پر ایک سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جماعت کی تدریجی ترقی کے ساتھ اسکی تدریجی مخالفت بھی وسعت اختیار کرتی چلی گئی۔ نیز یہ مخالفت بجائے جماعت کو ختم کرنے یا اسکی رفتار کو کم کرنے کے اس کیلئے مہمیز کا کام دیتی رہی۔ جوں جوں مخالفت شدت اختیار کرتی چلی گئی توں توں جماعت مزید وسعتوں سے ہمکنار ہوتی چلی گئی۔ اگر ذرا غور کیا جائے تو یہی ایک امر جماعت احمدیہ کی صداقت کا بیّن ثبوت ہے۔ کیونکہ الٰہی جماعتوں کے ساتھ معاندین کا ہمیشہ یہی طریقہ کار ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں خداتعالیٰ کی غیر معمولی تائید ونصرت بھی اسی طرح اسکے شامل حال رہتی ہے۔ آج جماعت احمدیہ میں تاریخ اپنے آپ کو دوہرا رہی ہے اور ادنیٰ تدبر سے اسکی صداقت کا پرکھنا بہت آسان ہے۔

جماعت احمدیہ کی مخالفت کا آغاز اس کے بانی سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے دعویٰ مسیحیت کے ساتھ ہی 1891ء میں ہوا۔ اس وقت یہ مخالفت مذہبی علماء کی طرف سے تھی اور زیادہ تر علمی بنیادوں پر تھی۔ چنانچہ حضور اقدس کے خلاف فتویٰ تکفیر شائع کیا گیا اور علمی موضوعات کو حل کرنے کیلئے مباحثات و مناظرات کا سلسلہ چل نکلا یہ ایک ایسا مذہبی دنگل تھا جس میں مسلمان، عیسائی، ہندو اور دیگر خیالات رکھنے والے سبھی موجود تھے اور جماعت ایک چومکھی لڑائی میں برسرِ پیکار تھی۔

لیکن بفضلہٖ تعالیٰ اس علمی مخاصمت اور مخالفت میں جماعت کا موقف عقلی اور نقلی دلائل میں اسقدر مضبوط تھا کہ جلد ہی دشمن نے اس محاذ سے پسپائی اختیار کی اور ایک رنگ میں انہوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ دلائل و براہین سے انکا مقابلہ ان کے بس کا روگ نہیں اس کے بعد جماعت کی مخالفت کا بیڑا بعض دیگر تنظیموں نے اٹھایا اور یہ دعویٰ کیا کہ جماعت انکے ہاتھ سے بچ کر نکل نہیں سکتی۔ اس مخالفت کی ابتدا ایک تنظیم مجلس احرار نے کی جو مذہبی لبادہ میں کچھ سیاسی عزائم پورا کرنا

چاہتی تھی۔لیکن چند ہی سالوں میں اس تنظیم کا جو حشر ہوا وہ انتہائی عبرتناک اور سبق آموز تھا۔انکے متعلق حضرت مصلح موعودؓ نے کیا خوب کہا ہے:

لوٹنے نکلے تھے وہ امن و سکون بیکساں

خود انہی کے لُٹ گئے حسن و شباب زندگی

لیکن بجائے سبق سیکھنے کے ایسے معاندین یہی سمجھتے رہے کہ وہ اپنے مشن میں ضرور کامیاب ہوجاتے شائدکوئی کسر باقی رہ گئی ہے۔چنانچہ قیام پاکستان کے بعد انکو اپنی ساکھ برقرار رکھنے اور جماعت کو ختم کرنے کا کام آسان نظر آیا۔اب انہوں نے یہ سوچا کہ یہ کام کسی ایک تنظیم کا نہیں بلکہ سب کو اکٹھے مل کر کرنا چاہئے۔چنانچہ مسلمانوں کے بہتر فرقے بشمول سنی اور شیعہ کے مختلف خیال لوگ اس مقصد کیلئے متحد ہو گئے۔یہ مجموعی مخالفت ایسی صورت اختیار کر گئی کہ پنجاب کی صوبائی حکومت نے ان کے سامنے اپنے گھٹنے ٹیک دئے اور بجائے احمدیوں کیلئے امن مہیا کرنے کے وہ بھی اس دوڑ میں ان سے دو ہاتھ آگے تھی۔درحقیقت وہ اسکی آڑ میں اپنے سیاسی فوائد حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ 6 مارچ 1953ء کا وہ تاریخ ساز دن تھا جبکہ ان ''احزاب'' کی طرف سے تمام احمدیوں کے گھروں کی نشاندہی کی جا چکی تھی اور تمام احمدیوں کے قتل عام کا تمام سروے مکمل کرلیا گیا تھا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ان بہتر فرقوں نے اکٹھے ہو کر جماعت احمدیہ کے خلاف جو محاذ بنایا اس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ پہنچا کہ سیّدنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کے بہتر فرقوں میں بنی اسرائیل کی طرح بٹ جانیکی جو خبر دی تھی نہ صرف وہ پوری ہوئی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے مقابلے میں ایک ناجی فرقہ کی خوشخبری دی تھی اس کی صداقت ہم نے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھ لی کیونکہ ان تمام فرقوں نے مل کر خود ایک فرقہ کو الگ کر دیا۔اس کے نتیجہ میں کئی سعید روحیں حلقہ بگوش احمدیت یعنی حقیقی اسلام ہوئیں۔

1953ء میں معاندین احمدیت کی اسقدر منظم اور اجتماعی کوشش جسے صوبائی حکومت کی مکمل

سر پرستی حاصل تھی اور یہ خیال کیا جانے لگا کہ جماعت احمدیہ کی زندگی کے دن گنے جا چکے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے تصرف فرمایا کہ دیکھتے دیکھتے یہ عظیم منصوبہ نہ صرف ناکام ہوا بلکہ اسکے نتیجہ میں جماعت کو مزید استحکام نصیب ہوا۔

لیکن حالات نے پلٹا کھایا اور 1971ء میں پاکستان دولخت ہو گیا۔ اور پاکستان میں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ایک عظیم سیاسی لیڈر بن کر اُبھرے۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ مذہبی جماعتوں کے مقابلہ میں بھٹو صاحب کی پیپلز پارٹی تھی اسلئے جماعت نے اسکو کامیاب بنانے کیلئے اس کی معاونت کی۔ بھٹو مرحوم اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے لیکن انکو اور انکے ساتھیوں کا یہ خیال تھا کہ آئندہ الیکشن میں انکی کامیابی تب ہی ممکن ہے کہ وہ جماعت کے خلاف ایسا ''کارنامہ'' سرانجام دیں تا کہ آئندہ مذہبی جماعتیں اس کو ان کے خلاف استعمال نہ کر سکیں۔ اس تناظر میں اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو گا 27 مئی 1974ء میں ربوہ کا واقعہ سے لیکر قومی اسمبلی میں جماعت احمدیہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تمام کاروائی اس منصوبہ کا حصّہ تھی اس دور میں جماعت احمدیہ کو جس عظیم ابتلاء سے گزرنا پڑا وہ انتہائی دردانگیز ہے۔ اسکا کس قدر اندازہ اس ''سانحہ ٹوپی'' کے مطالعہ سے ہو سکے گا۔ یہ داستان صرف ایک قصبہ یا شہر کی نہیں بلکہ پورے ملک میں پھیلی پڑی تھی۔

جماعت کی مخالفت کا یہ دور ایسا تھا کہ جس میں معاندین احمدیت کو 1953ء کے برعکس صرف ایک صوبائی حکومت کی نہیں بلکہ خود مرکزی حکومت کی پوری حمایت حاصل تھی۔ لیکن بفضلہٖ تعالیٰ جماعت اس عظیم ابتلاء سے خوب سرخرو ہو کر نکلی اور اس کے مقابلہ میں اس تمام ڈرامہ کے اصل کردار جناب ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ قرآن مجید میں بیان کردہ الٰہی انتظام وَيُذِيقَ بَعْضَكُم بَأْسَ بَعْضٍ کے مطابق خود اُن کے اپنے تقرر کردہ جرنیل کے ہاتھ سے ہوا۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے برادرم ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب نے کیا خوب کہا ہے:

جسے غرور تھا قوت کا کجکلاہی کا
وہ لقمہ بن گیا خود اپنے ہی سپاہی کا

یہ داستان کافی طویل ہے۔ صرف اسی پر بس نہیں بلکہ بھٹو صاحب کے بعد جنرل ضیاء الحق نے رہی سہی کسر پوری کرنے کی کوشش کی۔ 1984ء میں انہوں نے جماعت احمدیہ پر جو پابندیاں عائد کیں اسکی وجہ سے جماعت کے سربراہ خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو لندن ہجرت کرنا پڑی۔ اس کے نتیجہ میں جو جنرل ضیاء الحق کا حشر ہوا اور نئی ہجرت کے نتیجہ میں جماعت پر جن غیر معمولی انعامات کی بارش ہوئی وہ ایک الگ موضوع ہے۔ لیکن یہ امر مسلم ہے کہ الٰہی جماعتوں کیلئے آخری فتح سے قبل ایسے ابتلا ناگزیر ہیں۔ اس وقت ہم صرف خیبر پختونخواہ صوبہ کے شہر ٹوپی میں ہونیوالے واقعات کی ایک جھلک جو جماعت ٹوپی اور خاص طور پر مکرم صوبیدار عبدالغفور خان صاحب افسر حفاظت قادیان و ربوہ اور ان کے خاندان کے ساتھ گزری اسے مختصر طور پر پیش کرنا چاہتے ہیں اسے پڑھ کر قارئین بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ پاکستان میں احمدیوں کو ختم کرنے کیلئے کیسے خطرناک حالات تھے۔ ٹوپی کے احمدیوں پر حملہ سے صرف چار دن قبل ۴ جون کو چارسدہ میں ایک احمدی مکرم ماسٹر نور الحق صاحب کے مکان کو نذر آتش کر دیا گیا اور ان کے اہل خانہ کو بے سروسامانی کی حالت میں پشاور میں پناہ لینا پڑی۔ علاقہ میں کم و بیش ہر احمدی کو ایسی ہی صورتحال کا سامنا تھا۔ یہ صرف اس صوبہ پر موقوف نہیں بلکہ تمام ملک میں مرکزی حکومت کی شہ پر جماعت کیلئے ایسے حالات پیدا کر دئے گئے تھے کہ اس سے جماعت کا بچ نکلنا ناممکن تھا۔ خاص طور پر ٹوپی میں احمدیوں کے چند گھرانے تھے۔ انکو ملیا میٹ کرنے کیلئے ہزار ہا جاہل قبائلی حملہ آور تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے انکو ہمت دی کہ وہ نہایت بے جگری سے اس صورتحال کا نہ صرف دفاع کر سکیں بلکہ ایسے طور پر ان کا مقابلہ کریں کہ دشمن پسپا ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے اگر چیونٹی اور ہاتھی کا مقابلہ کہا جائے تو اس سے بھی پوری صورتحال کی عکاسی نہ ہو سکے گی۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مکرم صوبیدار عبدالغفور خان صاحب کا تعلق ٹوپی کے ایسے گھرانے سے ہے کہ جس نے احمدیت کیلئے شاندار خدمات سرانجام دیں اور اس علاقہ میں احمدیت کی آبیاری اپنے خون سے کی۔ چنانچہ صوبیدار صاحب کے والد مکرم صوبیدار خوشحال خان کو 1942ء

میں شہید کر دیا گیا تھا۔ٹوپی کے قریب ان کے نام کا قصبہ خوشحال آباد ہے۔

ٹوپی صوبہ خیبر پختونخواہ کے ضلع صوابی کا ایک شہر ہے جہاں جماعت احمدیہ کا نفوذ سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ کے بابرکت زمانہ میں ہوا، کیونکہ یہی وہ مقام ہے جس کے قریب کوٹھہ شریف کا وہ قصبہ ہے جہاں ایک ولی اللہ سیّد امیر رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں۔انہوں نے اپنے وصال سے قبل نہایت واضح الفاظ میں حضور کے ظہور کی بشارت دی۔جسکی بناء پر آپ کے بعض مریدوں نے قادیان جا کر اس بزرگ کی شہادت بیان کی اور حضور اقدس کی بیعت کی۔پھر ٹوپی ہی وہ جگہ ہے جہاں سے نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب ،صوبہ کی مشہور سیاسی شخصیت ،کا تعلق تھا جن کو بجا طور پر یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے ذریعہ ہی حضرت سید عبداللطیف شہید کو احمدیت کا پیغام پہنچا اگرچہ خود نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب نے بیعت نہ کی تھی تاہم وہ حضور کے مصدق اور مداح تھے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے خاندان کے اکثر افراد جماعت میں شامل ہوئے اور ٹوپی میں صاحبزدگان کا بہت اثر ورسوخ رہا۔

ٹوپی میں جماعت احمدیہ کی ایک چھوٹی مگر فعّال جماعت موجود تھی۔جب 1974ء میں جماعت کے خلاف فسادات کا بازار گرم کیا گیا تو بعض شر پسند عناصر نے یہاں پر احمدیوں کو مارنے اور لوٹنے کیلئے اردگرد کے نابلد قبائلی عوام کو اُکسایا اور صرف چند گھرانوں کو ختم کرنے کیلئے ہزارہا افراد حملہ آور ہوئے۔ان احمدیوں کے خلاف جو یلغار کی گئی اس سے تاریخ اسلام کے اوّلین دور کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔یہاں پر خدا تعالیٰ نے جماعت کو شہیدوں اور غازیوں سے نوازا اور افراد جماعت کی خدا تعالیٰ نے ہر قدم پر جس رنگ میں تائید و نصرت فرمائی وہ انتہائی طور پر ایمان افروز ہے۔خدا تعالیٰ کے ان نشانات کا تذکرہ بطور تحدیث نعمت ہدیہ قارئین ہے۔

خاکسار

محمد اجمل شاہد

20 فروری 2012ء فلاڈیلفیا۔امریکہ

ربوہ کا معمولی ہنگامہ ۔ رائی کا پہاڑ

29 مئی 1974ء جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک انتہائی اہم دن ہے اس دن ربوہ کے ریلوے سٹیشن پر بظاہر ایک معمولی ہنگامہ ہوا مگر وہ اپنے ہولناک نتائج کے لحاظ سے درحقیقت ایک بہت بڑی سازش کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ بعد میں ظاہر ہونیوالے واقعات سے اس امر کا انکشاف ہوا کہ یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا جس کی بناء پر تمام پاکستان میں جماعت کیلئے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ جماعت کیلئے وہی حالت پیدا کر دی گئی جسکا قرآن مجید میں ان الفاظ میں کیا گیا:

ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

یعنی مومنوں پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ کر دی گئی

ان حالات کی تفصیل بیان کرنے سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ربوہ سٹیشن پر ہونے والے اس واقعہ کو بیان کر دیا جائے۔ ہوا یوں کہ نشتر میڈیکل کالج ملتان کے کچھ طلباء بذریعہ چناب ایکسپریس راولپنڈی جاتے ہوئے ربوہ کے سٹیشن پر اترے۔ انہوں نے وہاں گالی گلوچ کے علاوہ عورتوں کے سامنے اخلاق سوز حرکات کیں۔ واپسی پر انہوں نے پھر ہلڑ بازی کی جسکے جواب میں وہاں موجود چند نوجوانوں نے انکو منع کیا مگر وہ اپنی شوخیوں میں بڑھتے چلے گئے جس کے نتیجہ میں تکرار کی نوبت مار پیٹ تک پہنچی۔ لیکن یہ معمولی ہاتھا پائی اور پتلون کی بیلٹ نکال کر اس کا استعمال کیا گیا۔ لیکن کسی آتشیں اسلحہ یا تیز دھار کے اوزار کا ہرگز استعمال نہیں ہوا۔ وہاں پر موجود بعض بزرگان نے اپنے بچوں کو اس ردعمل سے منع کیا اور صبر سے درگزر کرنے کی تلقین کی۔ لیکن جب میڈیکل کالج کے طلباء نے اشتعال انگیز رویہ اختیار کیا تو اس قسم کا ردّعمل ایک طبعی امر ہے۔

پھر یہ ہنگامہ چند منٹ کے بعد ختم ہو گیا کیونکہ ربوہ سٹیشن پر گاڑی چند منٹ سے زیادہ نہیں رکتی۔

مبالغہ آمیز اور اشتعال انگیز خبریں

لیکن روزمرہ کے اس معمولی واقعہ کو پریس میں غیر معمولی مبالغہ آرائی کے ساتھ شائع کیا گیا اور یہاں تک کذب بیانی سے کام لیا گیا کہ بعض طلباء کی زبانیں اور اعضاء کاٹ دیئے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ طلباء بعض مذہبی تنظیموں کے آلہ کار تھے۔ کیونکہ جونہی چناب ایکسپریس چنیوٹ، فیصل آباد اور ملتان پہنچی ہر جگہ انکا استقبال کیا گیا ہار پہنائے گئے اور اشتعال انگیز تقاریر کر کے لوگوں کو جماعت کے خلاف بھڑکایا گیا۔ ملتان کے بازاروں میں ہڑتال ہو چکی تھی جلوس نکالے جا رہے تھے جب ٹرین ملتان پہنچی ایک بہت بڑے جلوس نے انکا استقبال کیا۔ ان طلباء کو ہیرو کا مقام دیا گیا گویا انہوں نے کوئی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہو۔ جلد ہی یہ تحریک ہر قصبہ، گاؤں اور شہروں میں پھیلتی چلی گئی۔ اخبارات ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اسکا منظم طور پر پروپیگنڈا ہونے لگا۔ اور غنڈہ عناصر کو جہاد کیلئے تیار کیا جانے لگا۔ جناب بھٹو اپوزیشن کی اس چال کو اچھی طرح سمجھ گئے کہ اگر یہ میدان مولوی صاحبان کے ہاتھ لگ گیا تو حکومت آئندہ الیکشن نہیں جیت سکتی۔ اس بناء پر حکومت کی مشینری جو امن قائم کرنے کی ذمہ دار ہے خود ان فسادات کو ہوا دینے لگی۔ دن دہاڑے پولیس کی موجودگی میں بلکہ وزیروں اور ممبران پارلیمنٹ کی سرکردگی میں غنڈے جلوس نکالتے اور احمدیوں کے گھروں کو لوٹتے۔ جلاتے اور ان کو قتل کرتے۔ ان کی لاشوں کو روندا گیا اور انہیں اپنے قبرستانوں میں دفن نہ ہونے دیا۔ بعض جگہ ان کی لاشوں کو بغیر کفن کے ایک گڑھے میں دفن کر دیا گیا۔ سارے پاکستان میں احمدیوں کا سوشل بائیکاٹ کیا گیا اور انہیں مجبوراً ہجرت کر کے دوسرے مقامات پر پناہ لینی پڑی۔ اس درندگی کی اسقدر انتہا تھی کہ احمدی مریضوں کا ڈاکٹروں نے علاج سے انکار کر دیا۔ بہت بچے اور بیمار علاج کے بغیر موت کا شکار ہو گئے دوکانداروں نے ضروریات زندگی کھانے پینے کی اشیاء دینے سے انکار کیا۔ پولیس سٹیشن میں ان کی فریاد سنی نہیں جاتی تھی۔ بلکہ جس جگہ بلوائی احمدیوں کے گھروں پر حملہ

کرتے ،اکثر سامان لوٹ کر لے جاتے اور جسے لیجا نہ سکتے اسے آگ لگا دیتے ۔مگر پولیس بجائے مدد کرنے کے اُلٹا اس گھر کے مالک کو گرفتار کرلیتی ۔دکھاوے کیلئے چند بلوائیوں کو گرفتار کر لیتی ۔لیکن دوسرے دن جلوس نکلتا اور ان کی رہائی کا مطالبہ کرتا تو ان بلوائیوں کو چھوڑ دیا جاتا۔اسکے برعکس احمدیوں کی ضمانت بھی قبول نہ کی جاتی ۔بعض جگہ ایسے واقعات بھی ہوئے کہ پولیس نے خود احمدیوں کو ان کے گھروں سے حفاظت کے بہانہ سے نکالا اور فسادیوں کے سپرد کردیا اور انہوں نے نہایت بہیمانہ طور پر انکو قتل کر کے ان کی لاشوں کو مسخ کیا۔ یہ صورتحال تمام پنجاب میں تیزی سے پھیلتی چلی گئی ۔حکومت اسکو کنٹرول کرنے کی بجائے اس فکر میں تھی کہ اس کا کریڈٹ بجائے مجلس تحفظ ختم نبوت کے ان کے کھاتہ میں کسطرح ڈالا جاسکتا ہے۔

پنجاب میں فسادات کی بڑھتی ہوئی اس آگ کا اثر دوسرے صوبوں تک پھیلنا شروع ہوا۔ اس کا کسی قدر اندازہ ان حالات سے کیا جاسکتا ہے جو صوبہ خیبر پختونخواہ سابقہ صوبہ سرحد اور خاص طور پر ٹوپی اسکے گردونواح میں رہنے والے احمدیوں کو پیش آئے ۔انہیں نیست و نابود کرنیکے لئے ہر ممکن کوشش کی گئی ۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اس بھڑکتی آگ سے ہمیں معجزانہ طور پر بچایا اور سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ کا یہ ارشاد:

”آگ سے ہمیں مت ڈرا۔آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے“

ہمارے حق میں پورا ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

صوبہ خیبر پختونخواہ میں فسادات

صوبہ خیبر پختونخواہ میں فسادات کا آغاز پشاور یونیورسٹی سے ہوا۔ یونیورسٹی میں کافی احمدی طلباء اور ملازمین تھے جنہوں نے وائس چانسلر کو ان بدلتے ہوئے حالات کی قبل از وقت اطلاع دی اور انہوں انکو یقین دلایا کہ یہاں وہ ایسے حالات پیدا نہیں ہونے دیں گے۔ اور یہاں تک تسلی دلائی کہ ایسے لوگ ان کی لاش پر سے گزر کر ان تک پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن یہ صرف طفل تسلی ثابت ہوئی اور دو جون کی رات کو یونیورسٹی ایریا میں تمام احمدیوں کا سامان فسادی عنصر نے طلباء کے ساتھ مل کر گھروں اور کمروں سے باہر نکال کر جلا ڈالا۔ پولیس نے کسی قسم کی مزاحمت نہ کی اور ان کو صرف سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے سے منع کیا گویا احمدیوں کو اور انکی املاک کو بچانا ان کے فرائض میں شامل نہ تھا۔

یونیورسٹی ڈسپنسری میں میرے ہم زلف مکرم صاحبزادہ سیف الرحمن صاحب آف ٹوپی کے گھر کا سارا سامان باہر نکال کر نذر آتش کیا گیا ان کے ایک ہمدرد نے بروقت خبردار کیا اور انہوں نے اور ان کے اہلخانہ نے کسی جگہ روپوش ہو کر اپنی جان بچائی۔ سوائے تن کے کپڑوں کے وہ گھر سے کچھ نہ اٹھا سکے۔ ان کی لائبریری جسمیں قرآن مجید کے نسخے بھی تھے ان "اسلامی جیالوں" نے جلا دیئے۔ بعد میں صاحبزادہ صاحب بمعہ اہل وعیال ٹوپی پہنچے۔ جانے سے قبل صاحبزادہ صاحب کی بیوی نے یونیورسٹی کے چانسلر کو ان کا وعدہ یاد دلایا اور کہا کہ آپ تو زندہ ہیں اور ہمارے ساتھ فسادیوں نے کیا سلوک کیا ہے۔ آپ کیسے پٹھان ہیں....؟ انہوں نے سر جھکا کر ندامت سے کچھ جواب نہ دیا۔

صوبہ میں احمدیوں کے خلاف فسادات کا جو سلسلہ ایک دفعہ شروع ہوا تو بجائے اسکے کہ حکومت اسکو کنٹرول کرتی اس کے برعکس یہ سلسلہ دن بدن بڑھتا چلا گیا۔ ہمیں یہ خبریں ملنے لگیں کہ ایسے واقعات پولیس کی موجودگی میں ہو رہے ہیں۔ شروع میں یہ سمجھنا مشکل تھا کہ یہ فسادی

سکولوں کالجوں کے طلباء ہیں یا دوسرے غنڈے اور سیاسی پارٹیاں ہیں۔ پھر یہ کہ حکومت ہماری حفاظت کیوں نہیں کر رہی جبکہ ہم نے برسرِ اقتدار پارٹی کی الیکشن میں پوری مدد کی تھی اور پھر ہم اس ملک کے پُرامن شہری ہیں اور حکومت وقت کے وفادار ہیں۔

ٹوپی پر حملہ کا منصوبہ

صوابی میں ٹوپی ایک اہم قصبہ ہے۔صوبہ کی ایک اہم شخصیت نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب کا تعلق اسی جگہ سے تھا۔ یہاں جماعت احمدیہ کی ایک چھوٹی مگر فعال جماعت موجود تھی۔ یہاں ہمیں یہ اطلاعات ملنے لگیں کہ فسادیوں کا ارادہ حملہ کرنے کا ہے حالانکہ یہاں احمدیوں اور عام مسلمانوں کے تعلقات مثالی تھے۔ دونوں ایک ہی مسجد میں نمازیں پڑھتے تھے۔ یہاں ۳ جون کو ایک جلسہ ہوا جس میں مقامی مولوی نے شدید اشتعال انگیزی کی اور احمدیوں کے قتل کرنے کا فتویٰ دیا مگر مقامی لوگوں نے ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ پھر اُس پاس کے علاقوں میں جلسے شروع ہوئے۔ ہمیں یہ اطلاعات ملنے لگیں کہ ٹوپی پر حملہ ہوگا۔ اسکے مختلف دن مقرر کئے گئے۔ بالاخر معلوم ہوا کہ ۶ جون کی تاریخ مقرر کر دی گئی ہے۔ اسکے لئے ٹوپی کے ایک پولیس افسر نے میری موجودگی میں صاحبزادہ عبدالحمید صاحب کو ڈائری دکھائی نیز یہ کہ خوشحال آباد جسکا پہلا نام شکرئے تھا اس پر بھی حملہ ہوگا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ خوشحال آباد کا قصبہ وہ جگہ ہے جہاں آج سے تقریباً ۷۰ سال قبل میرے والد مکرم صوبیدار خوشحال خان کو احمدیت کی بناء پر شہید کیا گیا تھا اور اس قصبہ کا نام انکے نام پر ہی رکھا گیا تھا۔

پولیس افسر نے ساتھ ہی ہمیں یہ کہہ کر مطمئن کرنیکی کوشش کی کہ اس نے یہ اطلاع پولیس افسران ایس پی اور ڈی ایس پی کو دیدی ہے اور وہ اس کے لئے ضروری انتظامات کرینگے۔ خود صاحبزادہ عبدالحمید صاحب نے بھی ڈپٹی کمشنر اور گورنر حیات شیر پاؤ کو پشاور میں اسکی اطلاع کر دی اور انہوں نے بھی پوری تسلی دلائی کہ وہ ہر قسم کے انتظامات کریں گے۔

چنانچہ ۶ جون کی صبح کو بارہ پولیس اہلکار ڈیم کی بس میں پہنچا دیئے گئے اور بہت سے بارڈر پولیس کے جوان صاحبزادہ صاحب کے پاس بھیج دیئے۔ مجھے صاحبزادہ صاحب نے پیغام بھیجا کہ ہم ان پولیس والوں کو تمہارے مکان میں ٹھہرانا چاہتے ہیں اسلئے گھر کی چابیاں بھجوا دو۔ اس

مکان میں میرا اور میری شادی شدہ بیٹی عزیزہ امۃ القیوم کے جہیز کا سامان تھا۔اس سامان کو ایک جگہ سمیٹ کر بند کر دیا اور باقی گھر پولیس کے استعمال کیلئے دیدیا۔اس گھر میں پولیس کی بھاری نفری رہنے لگی۔کھانے پینے کا تمام انتظام مکرم صاحبزادہ صاحب نے کر دیا تھا۔صبح وشام اس گھر میں دیگیں پکتیں اور عوام کے محافظ سیر ہو کر کھاتے رہے۔عجیب ستم ریزی ہے کہ اس جگہ جب بعد میں حملہ ہوا تو سب سے پہلے پولیس کی موجودگی میں فسادی میرے گھر کا تمام سامان حتی کہ گھر کی کھڑکیاں اور دروازے تک لوٹ کر لے گئے۔مگر ۶ جون کا متوقع حملہ نہ ہوا کیونکہ صوابی میں جلسہ ناکام ہو گیا تھا۔لیکن مولویوں کی آتش مزید بھڑک اٹھی اور مقامی لوگوں کو بے غیرتی کا طعنہ دیا کہ اگر تم کچھ نہیں کر سکتے تو وہ باہر سے لوگوں کو لیکر آئیں گے چنانچہ اپنے گھناؤنے عزائم کو پایۂ تکمیل پہنچانے کیلئے انہوں نے دور دراز علاقوں سے ایسے بدمعاش لوگوں کو بلایا جو بکاؤ مال کی طرح اپنے مفاد کیلئے سب کچھ کرنے کیلئے تیار ہوتے ہیں خاص طور پر جبکہ پولیس بھی ان کی ہم نوا ہو۔۸ جون کو صاحبزادہ صاحب نے رات اڑھائی بجے میری طرف ایک قاصد روانہ کیا کہ ۹ جون کو ٹوپی میں جلسہ کا پروگرام ہے اور سخت خطرہ ہے اسلئے گھر کا کوئی فرد باہر نہ جائے نیز یہ بھی اطلاع دی کہ انہوں نے گورنر ڈپٹی کمشنر اور پولیس کے حکام کو اسکے متعلق اطلاع دیدی ہے اور انہوں نے تسلی دلائی ہے کہ وہ ہر طرح جماعت کی حفاظت کرینگے۔تاہم ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اسی بناء پر ہم مینی گئے جہاں پر میرے ایک بھتیجے کی شادی تھی۔سارا دن شادی میں مصروفیت رہی اور شام کے کھانے کے بعد واپسی ہوئی۔گھر میں کچھ تعمیر کا کام شروع کروا رکھا تھا۔اگلے دن مستری مزدور کام میں مصروف رہے۔بعض افواہیں ضرور سننے میں آ رہی تھیں لیکن ہمیں خیال تھا کہ ملک میں ایک جمہوری حکومت قائم ہو چکی ہے اور وہ اپنے پُرامن شہریوں کی ضرور حفاظت کرے گی کیونکہ حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کی رکھوالی کرے۔۹ جون کی صبح کو گیارہ بجے کے قریب جبکہ ابھی تعمیر کا کام جاری تھا ہمیں ایک آدھ میل کے فاصلے پر لوگوں کے نعروں کی آواز سنائی دی۔پتہ لگا کہ کچھ لوگ بسوں اور ٹرکوں پر سوار ہو کر نعرے لگاتے ہوئے آ رہے

ہیں۔اسی وقت بارڈر پولیس کا ایک دستہ بھی وہاں پہنچ گیا ان سے معلوم ہوا کہ ٹوپی میں بھی بہت پولیس پہنچ گئی ہے نیز تمام متعلقہ افسران ٹوپی میں موجود ہیں۔ہمیں یہ بتایا گیا کہ ٹوپی میں صرف جلسہ ہوگا۔اور ان لوگوں سے ہتھیار وغیرہ باہر ہی لے لئے جائیں گے۔وہ صرف جلسہ کریں گے اور اسکے بعد واپس چلے جائینگے۔اس تسلی آمیز یقین دہانی کی بناء پر گھر میں تعمیر کا کام جاری رہا اور ہم نے اپنے سامان کو کسی محفوظ جگہ پہنچانے یا مال مویشی کو منتقل کرنے کا کچھ فکر نہ کیا۔

ہمارے گھر سے مشرق جانب آدھ میل کے فاصلہ پر علاقہ غیر شروع ہوجاتا ہے اسطرف سے ہمیں ٹرکوں اور بسوں کے ذریعہ آنیوالے لوگوں کے نعروں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔اسکے کچھ عرصہ بعد تقریباً ساڑھے دس بجے ٹوپی گاؤں میں دھماکوں کی آواز سنائی دی اور دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر دھوئیں کے بادل چھا گئے۔اس وجہ سے تمام مستری مزدور بھاگ گئے اور ہم اوپر کی منزل میں جا کر اس صورتحال کا جائزہ لینے لگے۔تھوڑے وقفہ کے بعد فائرنگ شروع ہوجاتی اور مختلف سمت سے آگ اور دھوئیں کے بادل نظر آنے لگے۔ہم حیران تھے کہ پولیس کی اتنی بھاری نفری اور افسران کی موجودگی میں ان لوگوں کو آگ لگانے کی کیسے جرأت ہوئی۔انتہائی پریشانی کے عالم میں ہم اس بات کے منتظر تھے کہ صحیح صورتحال کا علم ہو۔اتنے میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دوڑتا ہوا ہماری طرف آرہا ہے۔ چونکہ اسکی شناخت نہیں ہوسکی اسلئے خاکسار نے اوپر کی منزل میں تمام کو بہت چوکس رہنے کی ہدایت دی اور خود نیچے اتر کر آیا۔معلوم ہوا کہ وہ شخص ہمارا خاص آدمی عبدالحکیم ہے۔وہ انتہائی گھبراہٹ میں تھا اور اسوجہ سے اس سے بات کرنا مشکل تھی اس نے حواس پر قابو پا کر بتایا کہ:

''جب ٹوپی میں جلسہ ختم ہوا تو ایک جلوس نکالنے کا پروگرام بنایا گیا وہاں اسلامیہ کالج کے ایک طالبعلم جو کرنل نوشاد آف کوٹھہ کا بیٹا تھا اس نے اعلان کیا کہ آج ہم نے تمام قادیانیوں کا صفایا کرنا ہے۔اس نے ایک غلیظ گالی نکال کر لوگوں کو مشتعل کرنے کیلئے یہ کہا کہ جو جلوس میں شامل نہیں ہوگا وہ زن طلاق ہوگا یہ سننے کے بعد

تمام ہجوم ایک جلوس کی شکل اختیار کر گیا اور ان کا رخ سیدھا صاحبزادہ صاحب کا گھر تھا۔ پولیس ان کے آگے اور دائیں بائیں تھی۔جلوس کے آگے چھوٹے بچے اور نوجوان تھے جب وہ صاحبزادہ صاحب کے بازار میں پہنچے تو انہوں نے دکانوں کے تالے توڑنا شروع کر دیئے اور سامان لوٹنے لگے۔ان دکانوں میں صرف ایک دکان میرے داماد عزیزم فیض محمد خان احمدی کی تھی باقی سب غیر احمدیوں کی تھیں۔کچھ مالکان نے اپنا سامان بچالیا گیا مگر اکثر لوٹ لیا گیا۔پھر اس بازار کو جو مکرم صاحبزادہ صاحب کی ملکیت تھا آگ لگادی گئی۔

ایک مارکیٹ جماعت اسلامی کے ایک ممبر کی تھی مگر اسمیں چار دکانیں مکرم ملک عبدالجبار صاحب پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ ٹوپی نے کرایہ پر لی ہوئی تھیں۔اس نے بلوائیوں کو آگ لگانے سے روک دیا مگر ان دکانوں کا سامان اس نے خود سے لے لیا اور کچھ لوگ لوٹ کر لے گئے۔پھر ایک مارکیٹ محمد اکبر خاں مرحوم کی تھی۔وہ خود تو غیر احمدی تھے مگر اسمیں دو احمدی بھائیوں صوبیدار گل محمد اور مکرم امیر محمد خاں کی دکانیں تھیں۔انہیں بھی لوٹ لیا گیا۔

احمدیہ مسجد ٹوپی کی آتشزدگی

اس لوٹ کھسوٹ کے بعد ہجوم کا رخ مسجد احمدیہ کی طرف ہو گیا یہ وہ عالیشان اور وسیع مسجد تھی جو نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان صاحب نے تعمیر کروائی تھی۔صاحبزادہ صاحب میرے خسر صاحبزادہ عبداللطیف صاحب بانی جماعت احمدیہ ٹوپی کے چچا زاد بھائی تھے۔جب وہ لاولد فوت ہوئے تو انکی جائیداد صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کے حصّہ میں آئی تھی۔اسطرح اس مسجد کے وہی متولی تھے مگر اس مسجد میں احمدی اور غیر احمدی الگ الگ با جماعت نمازیں پڑھتے

تھے۔عیدین اور جمعہ کی نمازیں اسی مسجد میں ہوتی تھیں۔یہ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی وسعت قلبی تھی کہ انہوں نے غیر احمدیوں کو اسکے استعمال کی اجازت دے رکھی تھی۔یہ مسجد اس قدر وسیع تھی کہ اس میں تین ہزار نمازی سما سکتے تھے۔

اس بے ہنگم جلوس کے ہاتھ ایک مشغلہ ہاتھ آ گیا اور ان کو کسی اچھے برے کی تمیز نہ تھی۔اس جلوس میں سے چند بچوں اور نوجوانوں نے مسجد میں داخل ہو کر صفوں کو اکٹھا کر کے اس پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی اس طرح دروازوں پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔یہ تمام کام پولیس کی موجودگی میں ہوتا رہا اور کسی نے ان کو روکنے کی کوشش نہ کی حتیٰ کی یہ بھی معلوم ہوا کہ کرنل نوشاد کے بیٹے نے قرآن مجید کو بھی نذر آتش کر دیا۔

مکرم صاحبزادہ صاحب کو پولیس کی طرف سے یہ ہدایت تھی کہ وہ گھر میں چھپے رہیں لوگ کچھ شور شرابا کرنے کے بعد چلے جائیں گے۔سننے میں آیا کہ اس تمام ہنگامہ میں ایک پولیس افسر نے غالباً پستول سے گولی چلائی جو کرنل نوشاد کے بیٹے کی ٹانگ میں لگی۔واللہ اعلم بالصواب۔یہ بھی معلوم ہوا کہ بعد میں اسکو چارپائی پر ڈال کر جلوس کی شکل میں لوگوں کو یہ کہہ کر اشتعال دلایا گیا کہ قادیانیوں نے حملہ کر کے تقریباً پچاس آدمیوں کو شہید کر دیا ہے۔تمام راستے لاشوں اور زخمیوں سے بھرے پڑے ہیں۔یہ جھوٹ بول کر لوگوں کو جہاد کیلئے اکسایا گیا ہے۔مسجد کو جلانے کے بعد اب یہ فسادی ہجوم مکرم صاحبزادہ صاحب کے گھروں کا گھیرا ڈال رہے ہیں''

عبدالحکیم نے جو کچھ وہاں دیکھا تھا وہ آنکھوں دیکھا حال انہوں نے نہایت پریشانی اور شدید گھبراہٹ میں ہمیں بتایا۔اب ان حالات کا علم دوسروں تک پہنچانا ضروری تھا اسلئے وہ وہاں سے خوشحال آباد کی طرف بھاگ کر گیا۔ان حالات کی تفصیل عبدالحکیم صاحب نے پولیس کے

افراد کی موجودگی میں بیان کی تھی ۔اسلئے تھانیدار صاحب اور ہیڈ کانسٹیبل نے کہا کہ وہ خود ٹوپی جاتے ہیں تا کہ صحیح حالات اور موجودہ پوزیشن کا علم ہو سکے اور اسکے بعد وہ واپس آ کر حکمت عملی کے متعلق سوچتے ہیں۔ گھر والوں نے جلدی سے کھانا تیار کیا تا کہ وہ کھانے کے بعد روانہ ہو سکیں۔ان کی ٹوپی کی طرف روانگی کے بعد ہم چھتوں پر مورچے بنانے میں مصروف ہو گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد تھانیدار ٹوپی سے واپس آئے اور انہوں نے اس امر کی تصدیق کی کہ بہت قادیانی اور سنی مارے گئے بلکہ کچھ پولیس کے آدمی بھی مر گئے ہیں۔ہم پھر قدرے مطمئن ہو گئے۔مگر یہ سوال بار بار دل میں اٹھتا کہ اتنی تعداد میں پولیس کی موجودگی میں یہ لوگ قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ کر سکے۔ یہ ضرور کوئی بڑی مخفی سازش ہے۔اس شش و پنج میں ہم اپنے قیمتی سامان کو محفوظ کرنیکے لئے بھی کچھ نہ کر سکے۔

ٹوپی سے ملنے والی ان اطلاعات سے ہم شدید پریشانی میں مبتلا تھے کہ اچانک تقریباً ساڑھے بارہ بجے ہمارے سامنے والی پہاڑیوں پر کچھ حرکت کے اثار معلوم ہوئے۔ پہلے تو ہم نے یہی خیال کیا کہ کوئی بھیڑ بکری کا ریوڑ ہے۔لیکن درحقیقت یہ لوگوں کا ہجوم تھا جو اسطرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔تھانیدار صاحب نے اپنے سپاہی تین جگہ پر تقسیم کر رکھے تھے۔ چھ سپاہی میرے پاس تھے۔ چھ سپاہی پیچھے پہاڑیوں پر مقرر کئے تھے۔ پہلے تو تھانیدار صاحب نے ان کیلئے کھانا مانگا پھر خود بھی کھانا کھایا اور پھر یہ کہا کہ وہ جا کر معلوم کرتے ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں۔تھوڑی دیر کے بعد وہ دوسرے راستہ سے دوڑتے ہوئے ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ تعداد میں بہت زیادہ ہیں ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور ہمیں تو ان پر فائر کرنے کا حکم نہیں ہے۔اسلئے وہ اپنے آدمیوں کو پیچھے لیکر جاتے ہیں اور ہمیں یہ مشورہ دیا کہ ہم بھی یہاں سے نکل جائیں ورنہ جان بچانا مشکل ہو گا۔تھانیدار صاحب کی باتوں سے مجھے محسوس ہوا کہ وہ کسی لالچ میں ہے۔مگر ایسے نازک موقع پر فیصلہ کرنا آسان نہ تھا۔لیکن معاً مجھے خیال آیا کہ صاحبزادہ صاحب نے اپنا سب کچھ ان پر لٹا دیا پھر بھی انہوں نے حفاظت کا فرض ادا نہ کیا۔اب میں ان کو کس قدر دے سکتا ہوں

کہ ان کی مرضی پوری ہو اور پھر یہ ہماری مدد کرتے بھی ہیں یا نہیں۔ کیوں نہ میں اس پاک ذات سے مدد مانگوں کیونکہ جو مدد وہ کر سکتا ہے ویسی کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ مجھے اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ میں نے تھانیدار صاحب کو طنزاً یہ کہا:

''تھانیدار صاحب آپ ہماری حفاظت نہیں کر سکتے۔ ہمارا محافظ زندہ خدا موجود ہے۔ ہم اسی سے مدد مانگیں گے۔ آپ بے شک چلے جائیں۔ اس پر تھانیدار صاحب نے اپنے کندھوں کو جنبش دی اور کہا کہ تمہاری مرضی۔ تھانیدار صاحب کے چہرے پر کچھ شرمندگی کے اثار تھے''

گھر سے جانے سے پہلے اس نے کہا کہ:

''صوبیدار صاحب میری ایک بات مان لیں کہ یہاں پر میری مائیں بہنیں ہیں اس نے میری بیوی بچوں کی طرف اشارہ کیا۔ ان کو ضرور یہاں سے نکال لیں۔ آپ جہاں کہیں گے میں انکو وہاں پہنچا دیتا ہوں پھر آپ دل جمعی کے ساتھ ان کا مقابلہ کر سکیں گے''

چنانچہ افراتفری میں بیوی بچوں کو تیار کیا۔ اپنے تین مسلّح بھتیجے ساتھ کیئے اور ایک غیر احمدی دوست کے ہاں تھوڑی دور پیچھے پناہ لینے کیلئے بھیج دیا انکو بھیجنے سے پہلے میں نے اپنے غیر احمدی ملازمین اور خادماؤں وغیرہ کو بھی ان کے گھروں میں بھیج دیا۔ اس دوست نے پوری ذمہ داری سے ہماری فیملی کو دشمنوں سے بچائے رکھا اس نیک کام میں اسکی تمام فیملی کے افراد نے بھی میرے بیوی بچوں کا خیال رکھا بلکہ جب ہم پر گولیوں کی بارش ہوتی تو یہ اذانیں دینا شروع کر دیتے۔ خدا تعالیٰ اس دوست اور اسکے خاندان پر اپنے افضال و برکات کی بارش فرمائے۔ اس نے اس نازک وقت میں ہماری بہت مدد کی۔

ابھی تک یہ صحیح طور پر معلوم نہیں ہوا تھا کہ ہمارا مقابلہ سکول اور کالج کے طلباء کے ساتھ ہے یا باہر کے مزدور اور لٹیرے بدمعاش ہیں۔ اس عرصہ میں ٹوپی سے بھی مزید کوئی اطلاع نہیں آئی تھی

اسوقت میں نے اپنے ایک نوکر کوٹوپی کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ صاحبزادہ صاحب اوران کے خاندان کی خیروعافیت معلوم کر کے آئے کیونکہ مجھے یقین تھا کہ ٹوپی کے مقامی لوگوں اور پولیس نے ان کی ضرور مدد کی ہوگی۔

پولیس ہمیں چھوڑ کر پیچھے ایک چھوٹی پہاڑی پر جا کر بیٹھ گئی۔اب ہمیں اپنی حفاظت کیلئے خود انتظام کرنا تھا ہمارے گھروں کے پیچھے میرے ماموں زاد بھائیوں محمد شیر اور محمد الیاس (جو کہ مکرم ملک عبدالجبار کے بیٹے تھے) کی زمین اور مکانات تھے۔وہ اپنے زمینداروں کے ساتھ چھتوں پر مورچے لگائے بیٹھے تھے۔جب پولیس ہمیں چھوڑ کر جارہی تھی تو عزیزم محمد الیاس نے مجھے کہا:

''لالہ ٹوپی کی تمام دکانیں اور مکانات لوٹ لئے گئے ہیں۔اب مال و دولت تو ختم ہوگئی اب جان کی قربانی کا وقت ہے۔اگر آپ کہیں تو ہم یہاں آپ کے پاس آجاتے ہیں اور دشمن کا ہم اکٹھے ہوکر مقابلہ کریں گے''

وہ چونکہ فوجی نہیں تھا اسلئے میں نے اسکو سمجھایا کہ ان کا مورچہ بہت ضروری ہے۔اگر ان کی طرف کوئی جائے گا تو ہم اسکو روکیں گے اور اگر کوئی ہمارا گھیراؤ کرے تو وہ انکو مار سکتے ہیں۔اسطرح دشمن تقسیم ہوجائیگا اوران کا مقابلہ کرنا آسان ہوگا۔وہ میری بات مان کر چلا گیا اور مجھے تسلی ہوگئی کہ اسطرف سے کوئی ہمارا گھیراؤ نہیں کرسکے گا۔

اس غیر یقینی اور نازک صورتحال کے پیش نظر میں نے اپنے رشتہ داروں کو جو مینی گاؤں میں رہتے تھے۔یہ پیغام بھجوایا کہ حملہ آور لوگوں کا صحیح طور پر علم نہیں تاہم اگر یہ سکول اور کالج کے طالب علم ہوں گے تو ہم ان کا دشمن کے طور پر مقابلہ نہیں کریں گے۔لیکن اگر یہ بدمعاش لوگ ہوں تو پھر ہمیں ان کی مدد کی ضرورت ہوگی اور وہ ان لوگوں کو ہمارا گھیراؤ نہ کرنے میں مدد دیں۔

میں نے اپنے ساتھیوں کو بھی اکٹھا کر کے ضروری ہدایات دیں۔خاص طور پر ان کو سمجھایا کہ اگر سکول کالج کے لڑکے سامنے آئیں تو ان کو ڈرانے دھمکانے کیلئے اِدھر اُدھر فائر کریں۔اگر دوسرے لوگ ہوں تو پھر بھی یہ احتیاط کریں کہ کسی بچے اور بوڑھے کو نشانہ نہ بنائیں بلکہ جو لوگ

جن کے ہاتھ میں ہتھیار ہوں اور وہ ہمارے احاطہ میں داخل ہو کر فائر کرنے میں پہل کریں تو اسوقت بہت احتیاط کے ساتھ صحیح اس شخص کا نشانہ لیکر گولی چلائیں ہر گولی بہت سوچ سمجھ کر صرف اس شخص پر چلائیں جو ہماری حدود میں داخل ہو جائے۔ کیونکہ یہی خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو تم پر حملہ میں پہل کرے اس کا پوری ہمت سے مقابلہ کرو یہ ساری باتیں اپنے چند آدمیوں کو سمجھا کر ان کو موروچوں میں بھیج دیا۔

تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ ہجوم نے مختلف اطراف سے ہماری طرف پیش قدمی شروع کی ہے۔ اسوقت مجھے یقین ہو گیا کہ آج ہماری آزمائش کا دن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ آج ہماری زندگی کا آخری دن ہو۔ اسلئے ہم سے کوئی کوتاہی اور کمزوری سرزد نہ ہو جسکی وجہ سے ہماری آئندہ نسلیں ہمیں مطعون کریں۔ موت کا ایک دن معین ہے۔ اس سے بچنا محال ہے۔ مگر ایک موت اعلیٰ مقاصد یعنی مذہب اور ملک کیلئے ہوتی ہے۔ یہ بامقصد عزت کی موت ہے اور اسکے مقابلہ میں ایک موت دنیوی مقاصد کیلئے ہوتی ہے جو ذلت کی موت ہے۔ اس حالت میں میرے دل سے دعا نکلی:

''اے خدا! تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔ ہماری موت و حیات صرف احمدیت یعنی حقیقی اسلام کیلئے ہو۔ ہماری اس قربانی کو قبول فرما گو ہم نہائت ہی حقیر بندے ہیں تو ہمیں معجزانہ طور پر غلبہ عطا فرما۔ اسوقت یہ لوگ ہمیں کافر سمجھ کر ہلاک کرنیکی کوشش کر رہے ہیں مگر اے خدا تو گواہ ہے کہ ہم تجھے معبود حقیقی اور وحدہ لاشریك مانتے ہیں۔ ہم پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں ہم قرآن کریم پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔ پانچ ارکان اسلام پر عمل پیرا ہیں۔ ہم اے خدا تیرے حکم کے مطابق حضرت مسیح موعود و مہدی معہود کو مانتے ہیں ہمارے مقابلہ پر جو لوگ ہیں تو ان کو اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ ہمیں ہلاک کر کے خوشیاں منائینگے کہ ہم نے احمدیوں کو ختم کر دیا ہے بالکل ویسے ہی جیسے یہود حضرت مسیح

موعود علیہ السلام کو صلیب پر چڑھا کر خوشیاں منا رہے تھے کہ انہوں نے عیسیٰ کو لعنتی موت مار دیا ہے ہم بھی مسیح کو ماننے والے ہیں۔ ہمیں بھی یہ لوگ اسی وجہ سے مارنا چاہتے ہیں۔ مگر اے خدا! جس طرح تو نے حضرت عیسیٰؑ اور انبیاء حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ اور سب سے بڑھ کر سیّدنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جانی دشمنوں سے محفوظ رکھا۔ ہمیں بھی اے خدا ان کے صدقے محفوظ رکھ'' اس دعا کے ساتھ حضورؒ یہ شعر زبان پر آ گیا:

شور کیسا ہے تیرے کوچہ میں لے جلدی خبر
خوں نہ ہو جائے کسی دیوانہ مجنوں وار کا

اسلحہ کی فراہمی

ایک پرامن شہری ہونے کے لحاظ سے ہمیں کبھی یہ وہم گمان نہ تھا کہ کبھی ہمیں اپنے گھر میں قلعہ بند ہو کر ہزارہا لوگوں سے جنگ لڑنا ہوگی۔ اگر پہلے سے کچھ اندازہ ہوتا تو ہم اس کے لئے تیاری کرتے اور گھر میں وافر تعداد میں اسلحہ کا ذخیرہ کرتے۔ لیکن عالم الغیب خدا نے اسکا انتظام خود کر دیا۔

ہوا یوں کہ جب ہمارے خلاف ایسی اطلاعات کا چرچا ہونے لگا تو ہمارے قریبی بہادر رشتہ دار اپنا اسلحہ وغیرہ لیکر ہمارے پاس حفاظت کی غرض سے پہنچ گئے۔ ۹ جون کو جب ہم مینی میں اپنے بھتیجے کی شادی میں شرکت کیلئے گئے تو یہ سب بھی ہمارے ساتھ وہاں گئے اور اپنا اسلحہ ہمارے گھر میں ہی چھوڑ گئے یہی وہ اسلحہ تھا جو اخر تک ہمارے بہت کام آیا۔ اس طرح میرے ہمزلف صاحبزادہ سیف الرحمن صاحب جن کا یونیورسٹی میں سارا سامان جلا دیا گیا تھا۔ انہوں نے حالات کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے ایک نہایت اعلیٰ سٹین گن خرید کر میرے پاس پہنچا دی۔ اس کے ساتھ بہت سارے کارتوس وغیرہ بھی تھے۔ اس رات محاصرہ کے وقت یہ بہت کام آئی۔

دشمن کے ساتھ پہلا معرکہ

اسکے بعد جب میں نے ہجوم کا بغور جائزہ لیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ سکول یا کالج کے لڑکے نہیں۔ کیونکہ ان کے لباس سے صاف طور پر معلوم ہوتا تھا کہ یہ کرایہ کے غنڈے ہیں۔ اس عرصہ میں وہ آہستہ آہستہ ہماری سمت بڑھ رہے تھے لیکن ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ ہم اسوقت جوابی کاروائی کرینگے جب ان کی طرف سے پہل ہوگی۔ جب وہ ہم سے تقریباً اڑھائی تین سو گز کے فاصلے پر پہنچ گئے تقریباً ایک بجے کے قریب انہوں نے فائرنگ شروع کردی۔ میرے جائزے کے مطابق وہ قریباً پانچ چھ ہزار مسلح لوگ تھے۔ وہاں پر پولیس کے کچھ لوگ موجود تھے۔ مگر وہ تماشائی تھے جسکی وجہ سے ہجوم کی مزید حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس موقع پر میرے ذہن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک بات تازہ ہوگئی جو حضور نے جلسہ سالانہ کی تقریر میں قرآن مجید کی ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے بیان کی تھی۔ حضورؒ نے فرمایا تھا:

> ''خدا تعالیٰ کی خاطر جو لوگ دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنی پوری ہمت اور طاقت صرف کرتے ہیں اور اس حالت میں جب غروب آفتاب ہوجائے تو اس آخری وقت میں خدا تعالیٰ انکی مدد کیلئے پہنچ جاتا ہے۔ مگر جو مقابلہ ہی نہ کرے اور مقابلہ کیلئے پوری تدبیر نہ کرے تو ایسے شخص کی خالی دعا کام نہیں آتی اور اسے خدا تعالیٰ کی نصرت نہیں ملتی''

اس بناء پر میں نے عہد کیا کہ ہم اپنی پوری ہمت اور تجربہ کو بروئے کار لاتے ہوئے جان کی بازی لگا دیں گے تاکہ خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت ہمیں حاصل ہو۔ اسلئے میں نے کلمہ پڑھ کر جوابی فائرنگ کی۔ جب یہ نام نہاد جہادی ہماری گولیوں کا نشانہ بنے اور ان کی لاشیں گرنے لگیں تو وہ حواس باختہ ہوکر پتھروں کے پیچھے چھپنے پر مجبور ہوگئے۔ اس چلچلاتی دھوپ میں پیاس کی شدت سے وہ پانی کیلئے مارے مارے پھرنے لگے اور اپنے زخمی لوگوں اور لاشوں کو چھوڑ کر پسپا ہونے

پر مجبور ہو گئے۔ان کی طرف سے ہمیں چیخ پکار سنائی دی جو زیادہ تر پانی کے نہ ہونیکی وجہ سے تھی۔

دشمن کے ساتھ ہمارا یہ پہلا معرکہ تھا جو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہا۔جب یہ واپس ہوئے تو پہاڑیوں کے پیچھے چھپے ہوئے بڑے پیٹ والے اور لمبی داڑھیوں والے ملاں ملانٹے باہر نکل آئے اور وہ ان کو لعن طعن کرنے لگے۔اسوقت جب وہ واپس بھاگ رہے تھے ہم نے بھی یہ غلطی کی کہ ان کو بزدلی کا طعنہ دیا یہ اس وقت جوش کی وجہ سے تھا ورنہ بعد میں ہمیں یہ احساس ہوا کہ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔تقریباً پون گھنٹے کے بعد پھر یہ لوگ دوسرے راستوں سے آگے بڑھنا شروع ہوئے۔اب انکی تعداد پہلے سے زیادہ تھی معلوم ہوتا ہے کہ مزید لوگ ان کے ساتھ شامل ہو رہے تھے۔جب میں نے اچھی طرح جائزہ لیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ پہلے سے دوگناہ تھے۔

دوسرا معرکہ

دوسرا معرکہ شروع ہونے سے پہلے جو وقت ملا۔اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے اپنے ساتھیوں کو اکٹھا کیا۔ان میں میرے دو بیٹے عزیزم اعجاز احمد خان اور امتیاز احمد خان ایک داماد عزیزم فیض احمد خان تھا۔میرے سمیت چار احمدی تھے۔باقی میرے تین بھانجے عزیزان نذیر محمد خان،وزیر محمد خان اور نور محمد خان تھے۔دو بھتیجے عزیزان نثار محمد خان اور شیر رحمان خان ایک نواسہ عزیزم ہمایوں خان۔ایک قاصد عبدالحکیم خان جو ہمارے لئے ٹوپی سے خبریں لایا تھا۔یہ سات افراد غیر احمدی تھے۔میں نے اس نازک صورتحال کے پیش نظر ان سے کھل کر کہا کہ اس وقت موقع ہے اگر وہ جانا چاہتے ہیں تو اپنے گھروں میں چلے جائیں۔ہم نے تو بہر حال ان کا مقابلہ کرنا ہے۔اس موقع پر میرے بھانجے عزیزم نور محمد خان نے کہا کہ:

"ماموں جی !اسوقت اگر ہم بھاگتے ہیں تو پھر ہم آئے کیوں تھے۔اگر ہماری موت یہاں لکھی ہے تو ٹل نہیں سکتی۔اگر نہیں لکھی تو ہمیں کوئی مار نہیں سکتا"

یہ سن کر سب نے یک زباں ہو کر کہا کہ اگر ہمیں مرنا بھی پڑے تو موت قبول ہے مگر وہ آپ کو چھوڑ کر بھاگنا نہیں چاہتے ۔اس کے بعد ہم اپنی حوائج سے فارغ ہو کر مورچہ بند ہو گئے ۔اب دشمن کی طرف سے فائرنگ کی وجہ سے شور تھا۔کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ہمیں بعد میں معلوم ہوا۔کہ بعض رشتہ دار اور ہمدرد پیچھے سے آ کر ہمیں آوازیں دیتے رہے مگر ہم نے اس شدید شور شرابہ میں ان کی آواز نہ سنی اور وہ واپس لوٹ گئے ۔دوسرا معرکہ شروع ہونے سے قبل میں نے دردناک دل سے خدا تعالیٰ کے حضور فریاد کی:

''اے خدا! حکومت اپنا فرض چھوڑ چکی ہے۔دشمن ہماری جانوں کے درپہ ہے یہ پاکستان کی زمین سے احمدیت کو ملیا میٹ کرنا چاہتے ہیں ۔ہم اس وقت آٹا میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں ۔ہمارا صرف یہ قصور ہے کہ ہم نے تیرے مسیح (علیہ السلام) کو مانا ہے ۔اے خدا ہمیں ان کے ظلم سے ویسے ہی محفوظ فرما جیسے تو نے اپنے بھیجے ہوئے انبیاء اوران کے ماننے والوں کے ساتھ معجزانہ سلوک فرمایا تھا''

میں ان دعاؤں کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو حفاظتی تدابیر اور مشورے دیتا رہا اور ان کو یقین دلاتا رہا کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری حفاظت فرمائیگا۔اور لازمی طور پر اسکی مدد آئیگی ۔اسی عرصہ میں یہ آوازیں ہمارے کانوں میں آ رہی تھیں:

''کلمہ پڑھ لو اور مسلمان ہو جاؤ ورنہ......'' اسکے ساتھ گندی گلیاں بکتے جا رہے تھے۔اس پر گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئ ۔میں نے بھی اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم ہر گولی پر کلمہ پڑھ کر فائر کرتے جاؤ۔چنانچہ ہم نے کلمہ پڑھکر فائر شروع کیا اور اسکے ساتھ اونچی آواز میں قرآنی دعائیں پڑھنی شروع کر دیں۔اور مشہور دعا جو اسم اعظم ہے۔اسکا وِرد شروع کرایا:

رب کل شیءٍ خادمك ربِّ فاحفظنا وانصرنا وارحمنا

تھوڑی دیر کے بعد دشمن کی پیش قدمی رک گئی اور ہم نے دیکھا کہ وہ اپنے زخمی ساتھیوں کو

چھوڑ کر واپس بھاگ رہے ہیں۔ اس دفعہ پھر وہی ملا نٹے باہر نکل کر ان کو جوش اور غیرت دلانے لگے اور اپنے وعظوں میں آئندہ جنت کے باغات اور حوریں ملنے کی بشارت سنانے لگے۔ ان وعظوں میں اَن پڑھ عوام کو بیوقوف بنانے کے سوا اور کیا رکھا تھا۔ کاش کوئی ان سے پوچھتا کہ کیا انکو خود یہ نعماء نہیں چاہئیں۔ اس عرصہ میں ہمیں تھوڑی فرصت مل گئی ہم نے زخمی ساتھیوں کی مرہم پٹی کی۔ کارتوس وغیرہ کا ذخیرہ جمع کیا اور اپنے مورچے اور ہتھیار درست کئے۔ جس کسی کے پاس کسی چیز کی کمی ہوتی گئی اسے پورا کیا اور سب کیلئے پانی وغیرہ مہیا کیا۔

تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ سڑکیں ٹرکوں اور بسوں سے بھر رہی ہیں ہر بس سے سبز جھنڈا اٹھائے ہوئے نئے ''غازی'' نکل رہے تھے اور اونچی آواز سے نعرے لگا رہے تھے۔ کسی نے یہ جھوٹ بولا کہ ان کے گھروں کو آگ لگا دی ہے جس پر لوگ خوشیاں مناتے ہوئے ناچنے لگے۔ میں نے اپنے گھروں کو دیکھا تو مجھے کہیں کوئی آگ نظر نہیں آئی البتہ میں نے یہ دیکھا کہ کچھ فسادی چھپتے چھپاتے میرے ماموں زاد بھائی محمد شیر خان اور محمد الیاس خان کے گھروں تک پہنچ گئے تھے۔ اور دوسری طرف پولیس بھی میرے ان بھائیوں پر پہاڑی سے فائرنگ کر رہی ہے۔ اس بناء پر میرے یہ بھائی اپنے گھر سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ اور پھر پولیس کی شہ پر انہوں نے وہاں آگ لگا دی۔ اس تمام کاروائی کو میرے بیوی بچوں نے اپنے اس گھر سے جسمیں وہ پناہ گزین تھے خود دیکھا اور عزیزم الیاس نے بھی اسکی تصدیق کی۔ اس کامیابی کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی آگے بڑھنے لگے۔

اس حالت کے پیش نظر میں نے اپنے ساتھیوں کو ہدائیت کی کہ اب وہ بہت احتیاط سے فائرنگ کریں تاکہ ہم رات تک ان کا مقابلہ کر سکیں۔ اب دشمن ہمارے گھر سے تقریباً ڈیڑھ سو گز دور تھا اتنے میں اسمان پر ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی شائد وہ اس صورتحال کا جائزہ لینے کیلئے تھا۔ اسکا علم ہمیں اس سانحہ کے بعد ہوا اس ہیلی کاپٹر میں جنرل نصیر اللہ بابر صاحب تھے جو میرے بھائی کرنل احمد خان کی درخواست پر آئے تھے اور چکر کاٹنے کے بعد ٹوپی تھانہ میں اتر گئے۔ یہ

ہجوم بلا مبالغہ ہزاروں کی تعداد میں تھا اور وہ اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔ لیکن ابھی تک انہوں نے ہمارے گھر کا گھیرا نہیں ڈالا تھا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے اپنے قاصد عبدالحکیم کو صاحب زادہ صاحب کے پاس بھجوانے کا ارادہ کیا تا کہ اگر وہ مدد کا انتظام کر سکیں۔ یہ قاصد پہلے شمال کی جانب جہاں ہمارے رشتہ دار تھے وہاں پہنچا۔ وہاں انکو حالات سے آگاہ کیا۔ اصل میں وہ ہمارے پاس آنا چاہتے تھے مگر پولیس نے انکو روکے رکھا۔ پھر وہ ٹوپی کی طرف روانہ ہوا۔ مگر اسے ان لوگوں نے پکڑ لیا جو منافق تھے۔ نہ پورے دوست تھے اور نہ پورے دشمن وہ صرف حالات کو دیکھ رہے تھے۔ ایک سمجھ دار آدمی نے اسکو ان سے چھڑا یا۔ مگر وہ بوجہ دیر ہو جانے کے ٹوپی نہ جا سکا اسلئے کسی امداد کا سامان نہ ہو سکا۔

معاندین کی پیش قدمی اور الٰہی نصرت

فسادی لوگ محمد شیر کے گھر کو اگ لگانے کی وجہ سے بہت مغرور ہو گئے اور اب وہ ہمارے گھروں کی طرف پیش قدمی کرنے لگے۔ مگر بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے حوصلے بہت بلند تھے۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں اتنا حوصلہ عطا کیا کہ ہم چٹانوں سے ٹکرانے کیلئے تیار تھے۔ اگرچہ یہ فسادی لوگ بڑی تعداد میں تھے مگر ہمیں وہ کیڑے مکوڑے لگ رہے تھے۔ اچانک انہوں نے گولیوں کی بارش کرنا شروع کی۔ ہم نے پوری ہمت سے جوابی کاروائی کی۔ ان میں سے بعض ہمارے مزارعوں اور زیر تعمیر مکانوں تک پہنچ گئے۔ گویا وہ ہم سے پچاس ساٹھ گز کے فاصلے پر تھے انہوں نے وہاں مورچہ بنا کر ہم پر فائرنگ شروع کر دی۔ میں اپنے ساتھیوں کو حوصلہ دلا کر اس امر کی کوشش کرنے لگا کہ دشمن کی پیش قدمی کو روکا جائے۔ اچانک مجھے میرے بیٹے عزیزم اعجاز احمد خان نے آواز دی کہ بابا مجھے گولی لگ گئی ہے۔ وہ ایک چارپائی پر بیٹھ گیا اور میں نے دیکھا کہ اسکا رنگ زرد پڑ گیا ہے اور اسکی بائیں چھاتی کے دل کے مقام سے خون نکل کر بہہ رہا ہے۔ اس شدید پریشانی کے عالم میں میں نے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی:

> ''اے خدا اگر میرا یہ جواں سال بیٹا مر گیا تو ہم بہت کمزور ہو جائیں گے اس نازک وقت میں ہمیں اسکی شدید ضرورت ہے۔ اگر یہ نہ رہا تو ہم پوری طرح اتنی بڑی تعداد کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اے خدا تیرا وعدہ ہے کہ ایک مومن سو کافروں پر بھاری ہوتا ہے مگر یہ تو ہزاروں کی تعداد میں ہیں اے خدا! تو اسے زندہ سلامت رکھ تا کہ ہم اس مقابلہ میں سرخرو ہو سکیں''

اس اضطراری دعا کے بعد میں نے اپنے بیٹے اعجاز خان سے پوچھا کہ زخم کتنا گہرا ہے جب اس نے اپنی انگلی زخم پر رکھی تا کہ زخم کا اندازہ لگائے تو اسے احساس ہوا کہ گولی جسم کے اندر نہیں

گئی بلکہ اوپر چمڑے میں ہی پھنسی ہوئی ہے، اس نے نہایت اسانی سے انگلی سے گولی باہر نکال کر پھینک دی۔ میں نے بیٹے سے کہا:

''اٹھ کھڑا ہو کر دشمن کا مقابلہ کر۔ خدا تعالیٰ ہمیں ہر گز ضائع نہیں کرے گا''

میں اسوقت بے ساختہ خدا کے حضور سجدہ میں گر گیا۔ اسکا شکر ادا کیا۔ اسوقت خدا تعالیٰ کی طرف سے مزید تقویت نصیب ہوئی اور مجھے یقین ہو گیا کہ خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

میں نے اندازہ لگایا کہ اعجاز احمد خان پر گولیوں کی بوچھاڑ کس طرف سے آرہی ہے۔ میں نے وہاں کا نشانہ لگا کر فائر کیا۔ اسکے بعد اسطرف سے کوئی فائر نہ ہوا۔

اب سورج غروب ہونے والا تھا۔ ان بلوائیوں کا دباؤ ہم پر بڑھنے لگا۔ اندھا دھند فائرنگ سے میرے ساتھی زخمی ہو رہے تھے۔ لیکن اسوقت جب کوئی زخمی ہوتا تو اسکے ساتھی فوری طور پر اسکی پٹی وغیرہ کر دیتے اور پھر اپنے مورچوں میں چلے جاتے۔ اسی اثناء میں دو گولیاں عزیزم فیض محمد خان کے سر اور جبڑے میں آکر لگیں۔ اس سے خون کا فوارہ بہہ پڑا اور وہ زمین پر بے ہوش ہو کر گر گیا سب نے دوڑ کر اس کو سہارا دینے کی کوشش کی۔ اس حالت کو دیکھ کر اعجاز خان اور امتیاز خان رونے لگے۔ میں نے ان کو رونے سے منع کیا۔ اسوقت میں خود بھی تفکرات میں ڈوب گیا مگر مصلحت وقت کا تقاضا تھا کہ ساتھیوں کا حوصلہ بڑھایا جائے۔ میں نے بہت ہمت سے کام لیتے ہوئے اپنے زخمی بھانجہ کو بالا خانہ میں بھجوا دیا۔ اسکے بعد سر پر چادر لپیٹ کر بستر میں لٹا دیا۔ ہمارے گھر پر گولیاں برس رہی تھیں اور اس سے اوپر کی منزل لرز رہی تھی۔ اس حالت میں نے اکیلے مقابلہ جاری رکھا اور بلند آواز میں قرآنی دعاؤں کا ورد شروع کر دیا۔

ہم پر حملہ کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ میرے اکثر ساتھی زخمی ہو چکے تھے جسکی وجہ سے ہم پوری طرح مقابلہ کے قابل نہ تھے۔ دشمن ہماری فصیلوں تک پہنچ چکا تھا۔ اور ہمیں غلیظ گالیاں دے رہے تھے۔ ہمیں ہتھیار ڈالنے کیلئے کہہ رہے تھے۔ اور اندھا دھند گولیاں برسا رہے تھے۔ ایک گولی سیمنٹ کی جالی کو لگی جس سے اس چھجہ کے کچھ ٹکڑے اڑ کر میرے بھتیجے شیر رحمان

کے چہرہ اور آنکھوں میں لگے۔ اسکے چہرے سے خون بہنے لگا۔ میں فوری طور پر اسکی جگہ پہنچا۔ یہ بہت باہمت جوان تھا۔ میں نے اسکو ایک طرف بٹھا دیا تا کہ وہ اپنا چہرہ صاف کرے۔ اور میں نے خود اسکی جگہ سنبھال لی۔ ایک اور گولی اسطرح چھجہ سے ٹکرائی اور اسکے چھرے میرے سر اور چھاتی پر لگے اور میں نے چہرہ پر گرم خون بہتا محسوس کیا میں نے جلد چادر سے پگڑی باندھی اور زخم کو ڈھانپنے کی کوشش کی تا کہ بچوں کو اسکا علم نہ ہو۔ تاہم انکھ میں ریت پڑنے سے جلن محسوس ہو رہی تھی۔ اب مجھے اس آدمی کی تلاش تھی جو یہ کاروائی کر رہا تھا جب اس نے پھر نشانہ باندھا تو میں نے اسے دیکھ لیا اور میں نے نشانہ باندھ کر پہلے فائر کر دیا جو سیدھا اسکے سر اور جسم کے پار ہو گیا اور اس نے تڑپ تڑپ کر جان دیدی اسکی تصدیق بعد میں دیکھنے والوں نے بھی کی۔

ہمیں لڑتے ہوئے تقریباً سات آٹھ گھنٹے گزر گئے۔ مگر اس تمام عرصہ میں پولیس نے کچھ کاروائی نہ کی۔ ہمیں ٹوپی کی طرف سے پولیس کا ایک دستہ دِکھائی دیا اور ہم نے خیال کیا کہ شائد وہ کچھ مدد کرینگے۔ لیکن وہ بھی باقی پولیس کے اشارہ سے ان کے پاس پہاڑی پر چلے گئے۔ میرے ایک غیر احمدی بھتیجہ نے حکومت کی اس غفلت کا شکوہ کیا مگر میں نے اس سے یہی کہا کہ خدا ہمارے ساتھ ہے وہی ہماری مدد کریگا۔ مگر اس بے بسی کے عالم میں اس نے کہا:

''چچا آخر کب خدا کی مدد آئیگی''

میں نے اسکا حوصلہ بڑھایا اور اسکا اثر یہ ہوا کہ نثار محمد خان بھی اٹھ کھڑا ہوا اور بہادری سے لڑنا شروع کر دیا اس موقع پر ہم نے دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے ایک عجیب حربہ استعمال کیا۔ ہم سب نے شیروں کی طرح دھاڑنا شروع کیا۔ اسکی وجہ یہ ہوئی کہ جب میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیڈر کی ہزار سالہ زندگی سے بہتر ہے ہم نے عملی طور پر شیروں والا طریق آزمایا اور اسکا خاطر خواہ اثر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد پولیس کی جانب سے برین گن کی فائرنگ شروع ہوئی جس سے سناٹا چھا گیا۔ اسی عرصہ میں ہم نے سنا کہ کسی نے کہا کہ:

''وہ پولیس ہوائی فائرنگ کر رہی ہے اسلئے ڈرنے کی ضرورت نہیں اب گرنیڈ پارٹی آگے

آ ئے مٹی کا تیل لاؤ اور انکے گھروں کو جلا دو‘‘

تھوڑی دیر میں مجھے گرنیڈ کے لیور کی آواز سنائی دی مگر یہ گرنیڈ اوپر سے لگ کر نیچے صحن میں گر گیا۔اب میں نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ جب گرنیڈ کی آواز آئیگی تو میں آواز دونگا کہ لیٹ جاؤ۔اس پر فوراً لیٹ جائیں۔جب گرنیڈ پھٹ جائے تو پھر کھڑے ہو کر مقابلہ کرو۔ہوا یوں کہ جو شخص گرنیڈ پھینک رہا تھا وہ ساتھ اونچی آواز سے کہہ رہا تھا کہ اب تم ہرگز بچ نہیں سکتے۔نہ معلوم اچانک ایک گولی اسکے منہ پر لگی اور اسکی آواز پھر نہیں سنی گئی معلوم ہوتا ہے کہ واصل جہنم ہو گیا ہے۔پھر یہ ڈیوٹی ایک ایسے آدمی نے لی جسکی میں نے بہت مدد کی تھی وہ احسان فراموش نکلا۔تاہم خدا تعالیٰ نے ہمیں گرنیڈ کے نقصان سے محفوظ رکھا۔بلکہ میرے ساتھیوں نے کہا کہ یہ تو گرنیڈ سے بچنے کا اچھا طریق ہے۔شروع میں جو اسکی دہشت تھی وہ دور ہوگئی اور بھرپور مقابلہ کیلئے تیار ہو گئے۔

اب ایکدفعہ پھر ہم نے دھاڑنے والا حربہ استعمال کیا۔اسکا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ہم میں نیا جوش پیدا ہو جاتا اور دوسری طرف دشمن مرعوب ہو جاتا۔پھر پولیس نے بھی ہوا میں فائرنگ شروع کر دی۔یہ پتہ نہیں لگا کہ پولیس کیوں فائرنگ کرتی تھی۔اب اندھیرا بہت ہو چکا تھا۔ایک دفعہ پھر بے انداز گرنیڈ پھینکے گئے جن سے ہم نے اسی طرح بچاؤ کیا۔بعد میں میں نے دیکھا کہ گرنیڈ کی بجائے اینٹوں کے ٹکڑے تھے۔جس سے یہ اندازہ ہوا کہ گرنیڈ ختم ہو گئے ہیں۔ایک گرنیڈ سے ہمیں نقصان پہنچا۔یہ گرنیڈ جب صحن میں گرا تو وہ جلد نہ پھٹا بلکہ اسکے فیوز کا وقفہ لمبا تھا۔وہ کھسک کھسک کر ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں ہمارے جوان لیٹے ہوئے تھے۔وہاں جا کر وہ پھٹا اور اسکے ٹکڑے عزیزان اعجاز احمد خان اور نور محمد کے جسم میں گھس گئے اور وہاں سے خون بہنے لگا اب گویا سوائے میرے باقی سب زخمی تھے میں نے اسوقت ایک چادر پھاڑ کر سب کی مرہم پٹی کی اور ساتھ ہی دوڑ دوڑ کر چاروں طرف فائرنگ کرتا رہا تا کہ دشمن کو بالکل یہ معلوم نہ ہو کہ گرنیڈ سے ہم زخمی ہوئے ہیں۔نیز میں نے سبکو مکمل خاموشی کا حکم دیا تھا۔اعجاز احمد خان کے پاؤں

کے تلوے میں گرنیڈ کے تین چار ٹکڑے گھس گئے مگر اس نے بڑی ہمت کا مظاہرہ کیا اور وہ دوسروں کو پٹیاں باندھتا رہا۔ اسی طرح میرا چھوٹا بیٹا امتیاز احمد جو بالکل بچہ تھا اسے شروع میں دشمن کے شدید حملہ اور اپنے ساتھیوں کے زخمی ہونے کی وجہ سے کچھ ڈر اور گھبراہٹ سے الٹیاں شروع ہو گئیں مگر جلد ہی وہ سنبھل گیا اور اس کا عادی ہو گیا اور مجھے میگزین میں گولیاں بھر کر دیتا رہا۔ جب اسکی جھجک اور ڈر ختم ہوا تو اس نے خود بھی رائفل سے فائر کرنا شروع کر دیئے۔ اسکا نشانہ بھی بہت اچھا تھا اور سب اسکی تعریف کرتے۔

اب چونکہ کافی اندھیرا ہو گیا تھا۔ اوپر والی منزل میں لوگ ہمیں روشنی میں دیکھ سکتے تھے اسلئے میں نے سب کو نیچے صحن میں جانے کیلئے کہا۔ فیض محمد خان جو اوپر لیٹا ہوا تھا اسے بھی چار آدمی اٹھا کر نیچے لے گئے۔ صحن مین جانا اسلئے بھی ضروری تھا کہ اب دشمن قریب پہنچ گیا تھا اور اس بات کا خطرہ تھا کہ وہ دیوار پھاند کر اندر آ جائیں اور گھر کو آگ لگا دیں۔ میں نے تمام کو ان کے کام سمجھا دیئے اور یہ کہا کہ آپ خاموش رہیں تا کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہم کہاں ہیں۔ اتنے میں کسی بدبخت کی آواز سنائی دی:

''توبہ کرلو! مسلمان ہو جاؤ ورنہ ہم تمہاری۔۔۔۔۔۔!''

وہ گالیاں بکتا گیا۔ اس وقت میں نے پھر نہایت اضطرار کے ساتھ خدا تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی:

> ''اے خدا تیری مدد کب آئیگی؟ ہم تھک گئے ہیں۔ ہمارا گولہ بارود ختم ہونے کو ہے۔ حکومت بجائے ہماری مدد کرنے کے دشمنوں کی مدد کر رہی ہے۔ اے خدا! اگر ہم مارے گئے تو دشمن یہ طعنہ دینگے کہ احمدیوں کا کوئی خدا نہیں۔ کیا تو ان کو موقع دے گا کہ وہ ہمیں جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیں۔ اے خدا اگر انہوں نے ہمیں یہاں ختم کر دیا تو باقی ملک میں احمدیوں کا صفایا ان کیلئے اسان ہو جائیگا۔ اے خدا! اگر تو اس وقت ہماری مدد نہ کرے گا تو پھر کب تیری مدد آئیگی''

میں دُعا کرتے کرتے انتہائی پریشانی کے عالم میں دروازہ سے باہر نکل گیا تاکہ اس شخص کا مقابلہ کروں جو ایسے مغلظات بک رہا تھا۔ کیونکہ ان کو سن کر میرے تن بدن میں ایک آگ لگ گئی تھی۔ جب میں باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ وہ کمینہ شخص اور اسکے ساتھی ہماری ڈیوڑھی کے دروازہ کے سامنے کچھ جھاڑیاں جمع کر کے اس پر مٹی کا تیل چھڑک رہے تھے۔ تاکہ آگ لگا کر گھر کو جلا دیں۔ میں نے عین وقت پر ان کے آگ لگانے سے پہلے ایک برسٹ مارا جس سے وہ تینوں ایک دوسرے کے اوپر ڈھیر ہو گئے۔ اس کے بعد میں نے اندر آ کر پھر بچوں کو حوصلہ دیا اور عزیزم فیض محمد خان کی حالت دیکھی۔ اس وقت وہ بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ شدید پریشانی کی وجہ سے میں ایکدفعہ پھر باہر نکل گیا تاکہ حالات کا جائزہ لے سکوں۔ دراصل مجھے اس وقت یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ہمیں آئندہ کیا کرنا چاہیئے۔ میں باہر جا کر دیوار کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اور دشمن کی حرکات کا جائزہ لینے لگا۔ اتنے میں دیوار کے ساتھ ایک آدمی کا سر حرکت کرتا دیکھائی دیا غالباً وہ ان تین آگ لگانے والوں کی حالت دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے فوری طور پر اس پر گولی چلا دی اسکے گرنے کے بعد مجھے وہاں سے کافی لوگوں کے بھاگنے کی آوازیں سنائی دیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہاں کافی لوگ اکٹھے ہوئے تھے۔ دراصل یہ لوگ ہمارے گھر کی دیوار توڑ کر اس میں سوراخ بنا کر اندر آنا چاہتے تھے۔

اسکے بعد میں واپس گھر آ گیا۔ اس خیال سے کہ شائد لوگوں نے مجھے گولی چلاتے ہوئے دیکھ لیا ہو میں ایک دوسرے خفیہ دروازے میں کھڑا ہو گیا۔ وہاں میں قدرے محفوظ تھا اور دشمن کی نقل و حرکت بھی دیکھ سکتا تھا۔ کوئی ساڑھے نو بجے کے قریب مغرب کی طرف روشنی کے گولے تین چار سو گز کے فاصلہ پر ہوا میں بلند ہونا شروع ہوئے۔ آہستہ آہستہ یہ گولے ہمارے قریب آنا شروع ہوئے۔ ہم نے سمجھا کہ شائد کوئی پولیس کا دستہ ہماری مدد کیلئے آیا ہے۔ مگر یہ خیال خام ثابت ہوا۔ بعض گولے ہمارے گھر کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں بنگلہ کے اندر نہ گر جائیں اور لکڑی کے زخیرہ کو اگ لگ جائے مگر تھوڑی دیر کے بعد وہ روشنیاں ختم ہو گئیں۔

حکومت اور پولیس کی طرف سے اسقدر سرد مہری اور کسی قسم کی کاروائی نہ کرنے کی وجہ سے

مجھے بہت مایوسی ہوئی۔اب میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔اگر ہم باہر نکلتے ہیں تو دشمن سے بچنا مشکل ہے۔اگر یہاں بیٹھے رہیں۔آخر ہم کب تک اتنے بڑے ہجوم اور کمینہ دشمن سے مقابلہ کر سکیں گے۔اگر اگلے دن بھی پولیس کا یہی رویہ ہوا تو یہ لوگ ہمیں زندہ نہیں چھوڑیں گے اور ہماری لاشوں کی بے حرمتی کریں گے۔

ابھی اسی سوچ میں تھا کہ ایک اور حادثہ ہو گیا۔ہوا یوں کہ جب اصل دروازہ کو چھوڑ کر خفیہ دروازہ کی طرف آیا تھا تو اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ وہ اس دروازہ کو بند کر دیں لیکن معلوم ہوتا ہے وہ اسے مکمل طور پر بند نہ کر سکے۔کچھ دیر بعد ایک آدمی اس دروازہ سے اندر آ گیا اور میرے بھانجے نذیر احمد خان سے الجھ گیا۔غالباً میرے بھانجے کو رات کے اندھیرے میں اسکی پہچان میں غلطی ہوئی وہ اسے کوئی اپنا آدمی سمجھتا رہا۔کیونکہ اسے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں تو تمہارا اپنا آدمی ہوں۔مجھے کیوں مار رہے ہو۔درحقیقت وہ دشمن تھا اور اس نے اسکے سینہ میں گولی ماردی پھر اس پر خنجروں سے وار کر کے مار ڈالا۔میں چونکہ دور تھا مجھے صحیح حالات کا علم نہ تھا تاہم فائرنگ اور رائفلوں کے بٹ مارنے کی آوازیں میں نے سنی تھیں۔جب یہ آدمی میری طرف دوڑ کر آرہا تھا تو میں بھی یہی سمجھا کہ یہ ہمارا آدمی ہے اور مجھے کچھ اطلاع دینے آرہا ہے۔اسکے دونوں ہاتھ اوپر اٹھے ہوئے تھے۔ایسا معلوم ہوا کہ وہ ڈر کے مارے بھاگ رہا تھا۔میں اندھیرے میں چھپ کر کھڑا ہو گیا۔اور سوچا کہ اگر وہ میرے پاس آ کر رک گیا تو میرا ساتھی ہوگا ورنہ دشمن ہوگا۔صحن لمبا تھا اور وہ دوڑتا آرہا تھا اور میرے پاس سے اسی رفتار سے گذر کر صحن کے شمال جانب بڑھ گیا۔میں سمجھ گیا کہ

یہ کوئی دشمن ہے اور اسکے قریب آنے پر گولی چلا دی۔یہ دوسرے صحن میں جا کر گر گیا۔اور گھر کے گودام والے کمرہ میں جا کر دم توڑ گیا۔اس وقت میرے دونوں بیٹے اور تینوں بھانجے دوڑ کر میرے پاس آئے۔اور یہ اندوہناک خبر سنائی کہ نذیر محمد لالہ شہید ہو گئے ہیں۔میں یہ خبر سن کر بے حد غمزدہ ہو گیا۔یہ میری بوڑھی ہمشیرہ کا نہایت عزیز فرزند تھا اور بہت سمجھدار تھا۔اس سے قبل میں

نے خیال کیا کہ فیض محمد خان، جو کہ میرا بھانجہ اور داماد بھی ہے، شہید ہو گیا ہے۔ اس غم سے بچے رونے لگے۔ مگر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ان کو کہا کہ یہ رونے کا وقت نہیں ہے بلکہ انتہائی جرأت اور حوصلہ دکھلانے کا وقت ہے۔ اس موقع پر ان کو یہ کہا کہ اب بہتر ہے کہ ہم یہاں سے نکل جائیں۔ میرے بیٹوں نے کہا کہ ان دونوں لاشوں کو چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں۔ ہم سب شدید جذبات سے مغلوب تھے۔ لیکن میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور ان سے یہ کہا:

''اس وقت ہم سب دشمن کے نرغے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم سب مرنے کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔ مگر یہ عقل مندی نہیں کہ ہم سب یہاں مارے جائیں اس وقت رات ہے۔ اگر ہم ہمت کریں اور خدا کی مدد شامل حال ہو۔ اگر ہم یہاں سے نکل جائیں تو اچھا ہوگا۔ ورنہ اگر ہم لڑتے رہیں تو عین ممکن ہے کہ اگلے دن خود حکومت ہمیں پکڑ کر ان درندوں کے سامنے ڈال دے تو پھر ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ اسلئے خدا تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے یہاں سے ہم نکل جاتے ہیں''

اسکے بعد میں نے انکو بتایا کہ میں سب سے پہلے نکل کر آگے آگے جاؤں گا اور فائر کرتا جاؤں گا تم بھی ہتھیار ساتھ لے لو جو بھی روکے اسے اڑا دو۔ اسوقت رات کا اندھیرا ہے اسمیں ہماری پہچان مشکل ہوگی۔ مگر نکلنے سے پہلے میں نے بچوں سے کہا کہ آخری دفعہ نذیر محمد اور فیض محمد کو دیکھ آؤ پھر انکو خدا کے حوالہ کردو۔ چنانچہ وہ دیکھ آئے اور مجھے بتایا کہ نذیر لالہ تو فوت ہو گئے ہیں اور فیض محمد خان بے ہوش ہے اسکا بچنا مشکل ہے۔ ہم نے انا اللہ پڑھا اور نکلنے سے پہلے پھر خدا تعالیٰ سے دعا کی۔

میرا ایک بھانجہ نور محمد گرنیڈ سے شدید زخمی ہو گیا تھا اسکا کافی خون نکل گیا تھا اور بہت کمزور ہو گیا تھا۔ یہ حجرہ سے نکل کر باہر ایک چمبیلی کے بوٹے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ وہ بھی ہمارے ساتھ نہیں نکل سکتا تھا۔ چنانچہ ہم پہلے بنگلہ سے نکل کر حجرہ میں آگئے جب حجرہ سے باہر والے گیٹ پر

پہنچے تو میں نے لوگوں کے جمگھٹا پر فائر کر دیا اور سیدھا اس سڑک پر پہنچ گیا جو ٹوپی مینی کی شارع عام ہے۔ جب میں مینی کی طرف بڑھا تو میں نے دیکھا کہ بے شمار مسلح لوگ دیوار کی اوٹ میں قطار بنا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جب وہ نظر آئے تو میں نے ان پر فائر کرنا چاہا مگر معلوم ہوا کہ میگزین خالی ہے۔ اس وقت مجھے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے سامنے موت منہ پھاڑے نظر آ رہی تھی۔

جس جمگھٹے پر میں نے فائر کیا تھا۔ ان کی طرف سے یہ آواز بلند ہوئی کہ پکڑو اور روکو یہ کون لوگ ہیں۔ مجھے اسوقت کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کروں۔ کیا واپس بنگلہ میں چلا جاؤں یا آگے چلتا جاؤں۔ اسوقت کسی غیبی طاقت نے مجھے انکے درمیان چلنے پر مجبور کر دیا اور میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔ کہ پیچھے فوج آ گئی ہے۔ بھاگو کم بختو بھاگو اسکے ساتھ ہی میں نے بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ میرے پیچھے فائرنگ کی آواز آئی مگر میں بھاگتا چلا گیا۔ کسی نے میرا راستہ روکنے کی کوشش نہ کی اور نہ ہی سامنے سے فائرنگ کی۔ میں انکے درمیان سے بھاگتا چلا گیا۔ مجھے یہ احساس ہوا کہ کوئی میرا تعاقب کر رہا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ قادیانیوں کی فوج آ گئی ہے۔ مجھے اسوقت یہی خیال گزرا کہ کوئی دشمن میرا پیچھا کر رہا ہے۔ اور میں افسوس کر رہا تھا کہ میری بندوق میں کوئی گولی نہیں ورنہ اسے ختم کر دیتا۔ میں نے سڑک چھوڑ کر کھیتوں میں بھاگنا شروع کر دیا۔ مگر وہ میرے پیچھے بھاگ رہا تھا میں سمجھا کہ اسکے پاس بھی رائفل نہیں اور وہ مجھے خنجر سے مارنا چاہتا ہے۔ درحقیقت وہ میرا بیٹا اعجاز تھا۔ بعد میں حیران ہوا کہ کیوں مجھے اسکی آواز سنائی نہ دی وہ تو جب میں تھک گیا اور پلٹ کر اسپر وار کیا تو پھر وہ بولا کہ میں اعجاز ہوں۔ میں نے اسے کہا کہ کیوں تم نے مجھے نہیں پکارا اور اپنا نام نہیں بتایا۔ تو پھر اس نے بتایا کہ اسنے مصلحتاً ایسا نہیں کیا تا کہ دشمن کو ہماری شناخت نہ ہو جائے۔ اس پر میں نے خدا تعالیٰ کا بہت شکر ادا کیا کہ میری رائفل میں کوئی گولی نہ تھی نیز مجھے اسکا علم نہ ہوا اور اسے دشمن سمجھ کر تیز بھاگنے پر مجبور ہوا۔ اسطرح خدا تعالیٰ نہ صرف دشمن کے نرغہ سے بحفاظت نکال کر لے آیا۔ بلکہ میرے بیٹے کو جسے میں دشمن سمجھ رہا تھا میرے ہاتھوں نقصان سے محفوظ رکھا۔ میں نے دیر تک سجدہ شکر ادا کیا۔ یہ واقعی اسکا بڑا احسان تھا۔ ورنہ ایسی

پریشانی میں انسان کچھ بھی کرسکتا ہے۔

ذرا سنبھلنے کے بعد میں نے اعجاز سے پوچھا کہ باقی ساتھی کدھر گئے ہیں۔ اب مجھے ان کے متعلق پریشانی شروع ہوئی۔ دل میں یہی وسوسہ تھا کہ جب وہ باہر نکلے ہونگے اور فائرنگ شروع ہوئی ہوگی تو وہ زخمی ہو گئے ہونگے یا مر گئے ہونگے۔ یہ سوچ کر میں بے حد رنجیدہ اور بے قرار ہوا اور کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی۔ کہ انکا کیسے پتہ کیا جائے اور ان کو کیسے بچایا جائے۔

میں نے اعجاز سے کہا کہ جلدی کرو میری میگزین بھر دو۔ مگر میری حالت اس وقت ایسی نڈھال تھی کہ ایک قدم چلنے کی ہمت نہ تھی۔ جب اعجاز گولیاں بھر رہا تھا۔ تو میں نے دیکھا کہ اسکا ہاتھ سوجا ہوا ہے اور اس سے خون بہہ رہا ہے۔ اور اپنے کپڑوں سے پونچھتا جارہا ہے۔ اسنے بتایا کہ غالباً جب اس پر فائرنگ ہوئی تو کوئی گولی لگی ہوگی۔ لیکن خدا تعالیٰ کا شکر تھا کہ ہاتھ کی ہڈی کو نقصان نہیں پہنچا تھا کیونکہ میں نے جب اسے مٹھی بند کرنے کیلئے کہا تو وہ ٹھیک تھی۔ اور ہاتھ صحیح حرکت کررہا تھا۔ الحمدللہ۔

مجھے اپنے ساتھیوں اور چھوٹے بیٹے کو بچانے کی فکر تھی اور یہ سوچا کہ ہم اسطرف سے حملہ کر کے اپنے لوگوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ اب دشمن ہماری زد میں ہے۔ مگر اسکے لئے کافی اسلحہ درکار تھا۔ جو اس وقت ہمارے پاس نہیں تھا۔ اسلئے میں نے اعجاز کو کہا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے پاس جا کر انکو حالات بتا دے اور ان سے ضروری اسلحہ بھی لے آئے۔ اسے میں نے کہا کہ اتنی دیر میں لیٹ کر اپنی کمر سیدھی کر لیتا ہوں۔ چنانچہ وہ بھاگ کر چلا گیا۔ اس عرصہ میں فسادی کوٹھی میں داخل ہو کر لوٹ چکے تھے اور بعد میں گھروں کو آگ لگا دی۔ ہمارے رشتہ داروں نے جب یہ حالت دیکھی تو انہوں نے سمجھا کہ ہم سب مارے گئے ہیں انکو معلوم نہ تھا کہ ہم وہاں سے پہلے نکل گئے تھے۔ انہوں نے جب اعجاز کو دیکھا تو وہ حیران رہ گئے۔ اس نے جب میرا بھی بتایا تو وہ مزید حیران ہوئے۔ مگر جب اعجاز نے ان سے ہتھیار لینے اور دوبارہ حملہ کرنے کا بتایا تو وہ اس حق میں نہ تھے۔ وہ اعجاز کو روکنا چاہتے تھے اور وہ غصہ میں

ہتھیار لے کر میرے پاس آنا چاہتا تھا۔ میرا بھتیجہ اقبال محمد خان گھر سے اسلحہ نکال کر دینا چاہتا تھا۔ مگر گھر والے آڑے آئے۔ اس شور شرابا میں دیر ہوگئی اور مجھے بھی اسکا احساس ہوا اور میں خود وہاں پہنچ گیا۔ مجھے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور مجھے ایک کمرہ میں لے گئے اور مجھے کہا کہ اعجاز کو منع کریں کہ اپنی بات پر ضد نہ کرے۔ اسوقت دشمن چاروں طرف ہے۔ اگر ان کو بھنک پڑ گئی کہ آپ یہاں موجود ہیں تو ہمارے لئے بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ چنانچہ میں نے اعجاز کو منع کیا اور وہ وہاں سے نکل کر اس گھر میں چلا گیا جہاں اسکی والدہ وغیرہ پناہ گزین تھیں۔ وہ تو سب پہلے ہی حالات کو دیکھ کر اور خاص طور پر بنگلہ کی آگ سے پریشان تھے۔ مگر جب انہوں نے اعجاز کو دیکھا اور پھر میرا علم ہوا تو انہوں نے بھی خدا کا شکر ادا کیا۔

گھر والوں کو حالات کی نزاکت کا احساس تھا تاہم وہ تمام تفصیل جاننا چاہتے تھے مگر انکو امتیاز اور دیگر ساتھیوں کے متعلق بتایا کہ وہ گھر سے نکلے تھے۔ پھر پتہ نہیں کہ فائرنگ سے واپس گھر چلے گئے یا کسی اور جگہ چھپ گئے ہیں۔ البتہ جب نذیر محمد لالہ اور فیض محمد خان کی شہادت کی تفصیل بتائی تو وہ سب کیلئے انتہائی تکلیف دِہ خبر تھی لیکن سب نے بہت حوصلہ اور صبر کا مظاہرہ کیا۔ خاص طور پر میری بیٹی عزیزہ امۃ القیوم جو عزیزم فیض محمد خان سے بیاہی ہوئی تھی اس نے غیر معمولی صبر کیا بلکہ میری بھاوجہ کو آواز دے کر کہا:

''چاچی مبارک ہو۔ آپ کا بھتیجہ شہید ہو گیا''

یہ سن کر میری بھاوجہ رونے لگی تو میری بیٹی نے اسے روکا اور کہا کہ چچی جان ہماری قربانیاں ضائع نہ کریں۔ بلکہ شکر کریں کہ وہ دین کی خاطر شہید ہو گیا ہے۔ اسکا حاجی صاحب جن کے گھر یہ پناہ گزین تھے اور دیگر غیر احمدی رشتہ داروں پر غیر معمولی اثر ہوا اور وہ سب رونے لگے۔ مگر ہم نے سب کو خاموش کیا تاکہ دشمن کو اس کا علم نہ ہو۔ مجھے یقین تھا کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہماری آزمائش تھی اور لازمی طور پر اسکے نتیجہ میں خدا تعالیٰ ہمیں انعامات سے نوازنا چاہتا ہے۔

اب میری آنکھوں کے سامنے یہ نظارہ تھا کہ ہمارے مکانات اور کرنل احمد خان کا بنگلہ وہاں سخت فائرنگ ہو رہی تھی دشمن ہمارے مکانوں پر ڈھول بجا رہے تھے اور خوشیاں منا رہے تھے۔ یہ تکلیف دِہ منظر دیکھ کر میں نے خدا تعالیٰ سے یوں دعا کی:

''اے خدا یہ مال تیرا دیا ہوا تھا۔ ہم نے اسے تیری خاطر قربان کر دیا ہے۔ ہم یہ جگہ چھوڑنا نہیں چاہتے مگر یہ لوگ ہمیں یہاں زندہ نہیں رہنے دیتے۔ اے خدا تو ہماری راہنمائی فرما۔ اے خدا تو جانتا ہے کہ ہم اپنے پیارے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے ہیں۔ تیرے ہی حکم سے ہم نے اس زمانہ کے امام مسیح موعود علیہ السلام کو مانا ہے۔ مگر اس کی پاداش میں ہمیں قتل کیا جا رہا ہے۔ اور ہمارے اموال کو جلایا اور لوٹا جا رہا ہے۔ مگر یہ سب مادّی سامان ہیں انکی کوئی حیثیت نہیں۔

اے خدا! جس طرح تو نے میرے بیٹے اعجاز کو بچایا ہے اس طرح امتیاز اور اسکے ساتھیوں کو ہماری اس قربانی کی خاطر بچا لے تا کہ اے خدا ہم تیری رحمتوں اور نصرت کے نظارے دیکھیں اور دنیا کو بھی معلوم ہو کہ خدا کی نصرت کن کے ساتھ ہے۔ اے خدا ہمارے ساتھ ہمارے غیر احمدی رشتہ دار بھی ہیں۔ انکی بھی حفاظت فرما تا کہ میری ہمشیرگان اور بھائیوں کو بھی تسکین ہو کیونکہ انہوں نے ہماری خاطر اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈالا ہے۔''

میں انہی دعاؤں مین نہایت بے قراری سے مصروف تھا۔ مجھے کسی کے آنیکی آواز محسوس ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ اعجاز اپنی والدہ تین بہنوں اور دو چھوٹے نواسوں جن کو ہمارے مزارعوں نے اٹھایا ہوا تھا، یہ سب میرے پاس آ گئے۔ یہ بڑی محبت اور رقّت سے مجھ سے بغلگیر ہوئے اور وہاں سے بچ نکلنے پر مبارکباد دی ایک بات جس سے مجھے بہت خوشی ہوئی کہ باوجود بے گھر اور بے سامان ہونیکے انکا حوصلہ قابلِ ستائش تھا۔ انکی ہر بات سے بڑا عزم استقلال اور

جرات ظاہر ہو رہی تھی۔جسکی وجہ سے مجھے بہت تقویت ملی۔اتنے میں میری بھاوجہ اور دیگر رشتہ دار بھی آ گئے وہ زور زور سے رونے لگے۔اسوقت میری بیٹی امۃ القدوس نے انکو رونے سے منع کیا اور کہا کہ چچی یہ موقع تو مبارکباد دینے کا ہے کہ خدا تعالیٰ کی خاطر ہمیں اپنے جان مال کی قربانی دینے کی سعادت ملی ہے۔

مینی کی طرف روانگی

ہم اپنے گھر سے تقریباً ایک میل دور کھلی جگہ پر تھے۔وہاں سے ہم بخوبی دیکھ رہے تھے کہ آگ سے سارا علاقہ روشن ہے اور ہجوم میں سے فسادی اور لٹیرے خوشیاں منا رہے تھے۔ہم سب یہ نظارہ دیکھ کر پریشان تھے کہ اتنے مین کسی نے کہا کہ ہم اپنے آبائی گاؤں مینی میں چلتے ہیں۔وہاں پناہ بھی لیں گے اور اپنی ہمشیرہ سے جو نذیر محمد کی والدہ تھیں اس سے افسوس کرینگے۔وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے میں نے سید عبدالعزیز باچا اور اپنے مزارعوں کو ہدایت کی کہ وہ جلد گھر میں جا کر نذیر محمد اور فیض محمد خان کی لاشوں کو نکال کر انکی تدفین کا انتظام کریں۔ہم نے انکو اچھی طرح بتایا کہ یہ لاشیں گھر میں کسی جگہ پڑی ہیں۔چنانچہ انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم ابھی جا کر یہ کام کرتے ہیں۔

اب ہمارا قافلہ مینی کی طرف چل پڑا۔ہمارا ایک مزارع اور اعجاز آگے آگے تھے۔درمیان میں مستورات تھیں ان میں میری بھاوجہ بھی باوجود منع کرنے کے اپنے بچوں سمیت ہمارے ساتھ شامل ہو گئی۔میں سب سے پیچھے تھا تا کہ انکی حفاظت کر سکوں۔ہم نے سفر شروع کیا تو مجھے عزیزم امتیاز اور اپنے بھانجوں اور بھتیجوں کا شدید غم کھائے جا رہا تھا کہ ان کا کیا بنا ہوگا۔میں دل ہی دل میں اپنے آپ کو لعن طعن کر رہا تھا کہ ہم زندہ سلامت جا رہے ہیں اور ان کو ہم نے درندوں کے حوالہ کر دیا ہے۔نہ معلوم انہوں نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔میں خدا تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا کہ اے خدا ہماری مجبوری کو جانتا ہے۔اے خدا تو ہی انکی حفاظت فرما اور ہمیں سلامتی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچا دے۔میں کھیتوں اور کچے راستوں میں سے گذرتے ہوئے نہایت اضطرار

سے دعاؤں میں مصروف تھا۔

امتیاز خان سے اچانک ملاقات

ہم سب اپنے راستہ پر جارہے تھے۔ اتنے میں اعجاز نے ایک شخص کو دیکھا جو ہماری طرف آرہا تھا۔ اعجاز اسکو پہچان نہ سکا اور یہی سوچا کہ کوئی دشمن ہے۔ اعجاز نے فوراً پستول نکال کر اسے ٹھہرنے کیلئے کہا اور پوچھا کہ تم کون ہو۔ تب اس نے بتایا میں امتیاز ہوں اعجاز نے فوراً اسے گلے لگایا۔ ہم سب اس سے لپٹ گئے۔ اس غیر متوقع اور اچانک ملاقات سے ہمارے ہموم وغموم دور ہو گئے اور انتہائی خوشی ہوئی۔ میری خوشی کی کوئی انتہاء نہ تھی۔ یہ نا قابل بیان تھی۔ پھر امتیاز سے یہ معلوم کر کے کہ اسکے دوسرے ساتھی محفوظ ہیں اور وہ سب سلامتی کے ساتھ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ میں بار بار الحمدللہ کا ورد کر رہا تھا۔ امتیاز سے ملنے کی خوشی میں خاص طور پر والدہ اور بہنیں سب اسی خاردار جھاڑیوں میں سجدہ شکر میں گر گئیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا غیر معمولی احسان اور فضل تھا کہ نہ صرف اسکو بچایا بلکہ اسکو ایسی جگہ لے آیا جہاں اس سے ملنے کا وہم وگمان بھی نہ ہوسکتا تھا۔

میری بھاوجہ کا جوان لڑکا نثار محمد خان ہمارے ساتھ اس تمام معرکہ میں شامل رہا تھا اسکے بیٹے کے صحیح سلامت آنے پر اسکو مبارک باد دی۔ میرا خیال تھا کہ اب اپنے بیٹے کے ملنے کے بعد واپس اپنے گھر چلی جائے گی۔ میں نے خود بھی اس سے رک جانے کو کہا مگر اس نے ہمارے ساتھ چلنے کو ترجیح دی اور بڑی محبت سے کہا:

”میری سب اولاد آپ پر قربان ہو
خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ زندہ ہیں“

ہم رات کے اس اندھیرے میں منیٰ کی طرف رواں دواں تھے اور قرانی دعائیں پڑھتے جارہے تھے میں سب کو دعائیں کرنے کی تاکید اور تحریک کرتا رہا اب مجھے یہ غم ستانے لگا کہ منیٰ میں اپنی بڑی ہمشیرہ کے بیٹے عزیزم نذیر محمد کی موت کی خبر کیسے دوں گا۔ اس پر اسکا اور اسکے بیوی

بچوں کا کیا ردّعمل ہوگا۔ خاص طور پر اسلئے بھی کہ وہ غیر احمدی تھے۔ یہ سوچ کر میں انتہائی پریشان تھا اور اپنے آپ کو بہت کمزور اور نڈھال محسوس کرنے لگا۔ مجھے جو سر پر زخم آئے تھے۔ ان سے خون بہہ گیا تھا پھر کئی دن سے نیند پوری نہ ہوئی تھی۔ اس حالت میں اٹھارہ گھنٹے دشمن کا مقابلہ کرتا رہا ان سب باتوں کا میرے دل و دماغ پر گہرا اثر تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے ہمت دی میری بیوی اور بچیوں نے بھی بڑی ہمت کی اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے چلتی رہیں اور حالات کی ستم ظریفی کا کوئی شکوہ اپنی زبان پر نہ لائیں۔

مینی ابھی کچھ فاصلے پر تھا کہ کسی نے ہمارا قافلہ روک لیا اور اپنے گھر جانے اور پناہ دینے کی دعوت دی۔ مگر میری بیوی نے زور سے کہا کہ ہم کسی کے گھر نہیں جائینگے۔ وہ لوگ راستہ سے ہٹ گئے میں نے انکو پہچان لیا۔ انہوں نے مجھے سلام کیا میں نے اسکے گھر کی طرف دیکھا تو مجھے کافی لوگ نظر آئے۔ مگر سب نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔ بعد میں کسی نے بتایا کہ اسکے پاس چند شر پسند بیٹھے ہوئے تھے۔ جو ہمیں نقصان پہنچا سکتے تھے۔ مگر ان میں سے کوئی اپنی جگہ سے نہ ہل سکا۔ انکے کیا ارادے تھے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ مینی سے تقریباً نصف میل قبل ایک اور ٹولی ملی جو دس بارہ افراد پر مشتمل تھی۔ وہ مسلح تھے اور بعض کے پاس برچھیاں تھیں۔ جب وہ ہمارے قریب آئے تو میں نے انکو للکارا اور ٹھہر جانے کو کہا۔ رات کا اندھیرا تھا کچھ درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ جب وہ ٹھہر گئے تو میں نے اپنے قافلہ سے کہا کہ آپ گزر جائیں ان میں سے ایک نے میری آواز پہچان کر کہا کہ لالہ ہم آپ کی مدد کیلئے آئے ہیں ان میں سے بعض کو میں نے بھی پہچان لیا کیونکہ وہ ہمارے پرانے مزارع تھے۔ مگر ایسے حالات میں کسی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے طنزاً کہا کہ اب آدھی رات کو میری مدد کو آئے ہو اور گھر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ تم بھی جاؤ اور لوٹو۔ وہ خاموش ہو گئے اپنے قدموں پر واپس چلے گئے۔ ہم مینی کے قریب پہنچ گئے تھے۔

۞

عزیزان امتیاز اور نثار محمد خان کے بچاؤ کی تفصیل

مجھے یہ تجسس تھا کہ امتیاز اور نثار محمد خان بنگلہ سے کیسے بچ کر نکلے اور پھر کیسے ہمارے پاس اچانک آ گئے۔ چلتے چلتے راستہ میں عزیزم امتیاز نے اسکی تفصیل یوں بیان کی:

''جب آپ بنگلہ سے نکل کر دشمن پر فائر کرنیکے بعد نکلے اور لوگوں نے شور مچایا کہ یہ کون ہے۔ اسکو پکڑو۔ آپ نے کہا کہ فوج آ گئی ہے بھاگو کمبختو بھاگو اس کے بعد فائرنگ شروع ہو گئی ایسی حالت میں نثار لالہ نے ہمیں باہر جانے سے روک دیا اور حجرہ میں واپس جا کر چھپ جانے کو کہا۔ چنانچہ ہم پودوں کے پیچھے جا کر چھپ گئے۔

کچھ دیر بعد ہم پھر بنگلہ کے اندر چلے گئے۔ باہر شور اور گولیاں چلنے کی آوازیں آ رہی تھیں پھر خاموشی چھا گئی۔ ہم باہر جانے کیلئے پریشان تھے اور دوڑ دھوپ کرنے لگے۔ دیوار پھاندنے کا سوچا مگر دیواروں کے باہر ہجوم تھا۔ اسلئے ہم کہیں نہ جا سکے۔ کچھ سوچ کر نثار لالہ نے کہا کہ ہم دروازہ کھول دیتے ہیں۔ جب لوگ اندر لوٹنے وغیرہ کیلئے آئیں تو تم بھی ان کے ساتھ مل جل جانا۔ ہم نے پہلے ہی پگڑیاں باندھ کر اپنے منہ چھپا رکھے تھے۔ چنانچہ نثار لالہ نے کہا کہ قادیانی بھاگ گئے ہیں تم اندر آ جاؤ۔ اس پر چار پانچ آدمی اندر آ گئے انہوں نے نثار لالہ سے پوچھا کہ قادیانی کہاں گئے ہیں اس نے بتایا کہ پولیس انکو نکال کر لے گئی ہے۔ اسکے بعد باقی لوگ بھی اندر آنا شروع ہوئے۔ اور جو کسی کے ہاتھ لگا اسے اٹھا کر بھاگنے لگا وہ لوگ چونکہ دور دراز علاقوں سے تھے اسلئے ہمیں پہچان نہ سکے۔ ہم بھی پہلے ان کے ساتھ رہے۔ کچھ قیمتی سامان اٹھایا لیکن پھر پھینک دیا تا کہ کوئی اسکی وجہ سے ہمیں

نقصان نہ پہنچائے ۔ بلکہ ایک مرغی پکڑ لی ۔ جو آواز نکالتی تھی اور لوگ ہمیں بھی
اپنا ساتھی سمجھتے رہے۔اسطرح ہم نکل آئے‘‘

مجھے عزیزان نذیر محمد اور فیض محمد کی لاشوں کے متعلق تشویش تھی کہ انکا کیا ہوا۔امتیاز نے بتایا:

پہلے تو لوگ نذیر محمد لالہ کی لاش پر سے گزرتے رہے۔ میں نے اسکو ایک طرف کرنیکی کوشش کی تا کہ راستہ سے ہٹ جائے ۔مگر اندر ہجوم بہت بڑھ گیا تھا۔ ہر آدمی اس کوشش میں تھا کہ اندر گھس کر سامان لوٹ لے۔ جب میں بنگلہ سے باہر نکل آیا اور کھیتوں کے پاس پہنچا تو ایک آدمی جو بہت کمزور اور زخمی معلوم ہوتا تھا لڑکھڑاتا جارہا تھا۔ میں اسکے پاس پہنچا مگر اندھیرے میں پہچان نہ سکا۔مگر فیض محمد خان لالہ کی طرح قد وجود اور کپڑے تھے ۔ جب میں اسکے پاس پہنچا تو وہ کھیت میں گر گیا۔ وہاں چند آدمی بیٹھے تھے جو اسکے پاس آ گئے۔ اسوجہ سے میں ایک طرف ہٹ گیا اور پیشاب کے بہانہ بیٹھ گیا۔ میں چاہتا تھا کہ یہ لوگ ہٹ جائیں تو میں جا کر تسلی کر لوں۔مگر انہوں نے کانا پھوسی شروع کر دی اور میری طرف مڑ کر دیکھنے لگے۔

میں نے خطرہ محسوس کیا اور وہاں سے نکل بھاگا۔ میں کھیتوں میں سے ہوتا ہوا اپنے ایک بوڑھے مزارع کے گھر گیا۔اس نے مجھے گلے سے لگا کر رونا شروع کیا۔انہوں نے زبردستی مجھے کھانا کھلانا چاہا۔مگر روٹی میرے حلق سے اترتی نہ تھی ۔ میں نے ایک روٹی کا ٹکڑا انکو خوش رکھنے کیلیئے ہاتھ میں لیا اور وہاں سے سیدھا مرزا خان لالہ کے گھر پہنچا۔ وہاں تمام رشتہ دار پریشان بیٹھے تھے۔ان سب نے مجھے گلے لگایا اور پیار کیا میں نے اپنی ٹوٹی بندوق اور مرغی ان کے حوالہ کی۔ان سب کو آپ اور اعجاز لالہ کے بارے میں پتہ تھا کہ آپ پہنچ گئے ہیں اور اب مینی کیلیئے روانہ ہو گئے ہیں انہوں نے ایک آدمی میرے ساتھ کیا اور میں آپ کے پاس پہنچ گیا ہوں‘‘

مینی میں ورود

میں یہ واقعات اور امتیاز کے معجزانہ طور پر بچنے کی تفصیل بڑے غور سے سنتا رہا میں اسمیں اسقدر محو تھا کہ مجھے سفر کا احساس نہ ہوا۔ اور پتہ لگا کہ ہم مینی کے اندر داخل ہونیوالے ہیں۔ ہمیں ہرگز معلوم نہ تھا کہ مینی والوں نے ہمارے خلاف حصّہ لیا ہے یا نہیں۔ کیا یہ بھی ہمارے دشمن تو نہیں بن گئے۔ میں نے سب سے مشورہ کیا کہ کیوں نہ ہم بجائے مینی کے اندر جانیکے باہر کی طرف سے چلے جائیں کیونکہ گاؤں کے درمیان بڑے بڑے حجرے ہیں اور بڑے بلب روشن ہوتے ہیں۔ لوگ ہمیں دیکھ کر نہ معلوم کس قسم کے ردّعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر باہر کا راستہ لمبا تھا اور میری بیوی بچے جلد پہنچنا چاہتے تھے۔ اسلئے گاؤں کے اندر کی طرف سے جانے کا فیصلہ ہوا۔ جب ہم گاؤں میں داخل ہوئے اور کافی رات گذر چکی تھی اسلئے وہاں مکمل خاموشی تھی۔ لیکن جب ہم مزید اندر گئے تو ہم نے دیکھا کہ دو حجروں میں لوگ جمگھٹا لگا کر باتیں کر رہے ہیں۔ لازمی طور پر ہمارا ہی ذکر تھا مین نے وہاں سے گذرتے ہوئے اونچی آواز سے السلام علیکم کہا۔ سب نے مڑ کر ہمیں دیکھا اور بعض نے سلام کا جواب دیا۔ لیکن ہم نے صاف طور پر یہ محسوس کیا کہ وہ ہمیں زندہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ مگر منہ سے کچھ نہ بول سکے۔ ہم تیز تیز قدم بڑھاتے جلد اپنے محلہ میں پہنچ گئے۔ اپنے محلہ کے چوک میں بھی کافی ہجوم تھا اور وہ ہمارے متعلق ہی قیاس آرائیاں کرر ہے تھے۔ جب ہم ان کے پاس پہنچے تو میں نے پھر انکو بھی السلام علیکم کہا۔ سب نے میری طرف دیکھا اور سلام کا جواب دیا۔ مگر صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ ہمیں دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے تھے۔ یہ لوگ ہمارے محلہ دار اور رشتہ دار تھے۔ ان میں سے ایک نے بڑھ کر مجھ سے مصافحہ کیا اس وقت سفر کی وجہ سے اور زخموں سے خون بہنے کی وجہ سے ہمارے کپڑے کافی خراب تھے۔ ہماری حالت دیکھ کر وہ کافی شرمندہ تھے۔ پھر عورتوں کی وجہ سے انہوں نے اپنے سر جھکائے ہوئے تھے۔ باقی کسر اعجاز نے نکال دی۔ اس نے انکو انتہائی سخت الفاظ میں ملامت

کی۔اس وقت میری بیوی نے اعجاز کو ڈانٹ دیا اور اسے خاموش رہنے کیلئے کہا۔ہماری رشتہ داروں کو جب ہمارا علم ہوا تو گھروں سے ننگے پاؤں دیوانہ وار باہر نکل پڑیں اور ہم سے لپٹ گئیں اور اکثر نے شکر الحمدللہ کا اونچی آواز میں وِرد کیا۔ایک بزرگ شخص نے ان عورتوں کو زبردستی ہم سے الگ کیا اور گھر داخل ہونیکے لئے کہا اور ان سے کہا کہ اسوقت انکو آرام کی ضرورت ہے۔

میں جب اپنی معمر ہمشیرہ کے گھر داخل ہوا اور میرے ساتھ باقی قافلہ بھی داخل ہوا تو وہ ہم سے بہت محبت سے لپٹ گئیں۔اسے کچھ دیر پہلے ہمارے حالات کا علم ہو چکا تھا۔اس بناء پر خوشی اور غمی کے ملے جلے جذبات کا عجب منظر تھا۔ہم سب شدید پیاسے تھے۔ہم نے پانی مانگا۔انہوں نے ہماری حالت اور تھکاوٹ دیکھ کر فوری طور پر چائے تیار کی نیز انہوں نے زخموں کو صاف کرنا اور ان پر مرہم پٹی کرنا شروع کی۔اسوقت میں سخت پریشان تھا کہ اپنی ہمشیرہ کو کیسے عزیزم نذیر محمد کے متعلق ذکر کروں۔اچانک کسی نے گھر میں آکر میری ہمشیرہ کو نذیر محمد کی شہادت کی خبر سنائی۔یہ سب پر بجلی بن کر گری۔اور سب اپنے جذبات کو قابو نہ کر سکے۔ہر طرف چیخ و پکار اور رونا دھونا شروع ہو گیا۔ایسے حالات میں احمدیوں کا ردّعمل صبر اور تحمل کا ہوتا ہے مگر غیر احمدیوں میں اسکے برعکس ماتم اور رونے پیٹنے کا رواج ہے۔گھر میں عورتوں کا ہجوم بڑھتا چلا گیا۔اور وہ سب جہاں ہمارے زندہ بچ نکلنے پر شکر کر رہے تھے وہاں نذیر محمد کی وفات پر جزع فزع بھی کر رہے تھے۔

میری بہن کیلئے جوانسال بیٹے کی اچانک وفات کوئی معمولی سانحہ نہ تھا۔وہ بیچاری ایک طرف ہمارے سلامت بچ نکلنے پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتی اور دوسری طرف اپنے بیٹے کے غم سے اپنے سینہ اور منہ کو دونوں ہاتھوں سے پیٹ لیتی۔یہی تمام رشتہ داروں کا حال تھا۔گھر میں آہستہ آہستہ ہجوم بڑھتا گیا کیونکہ سب ہمیں دیکھنے کیلئے بے تاب تھے۔

لاؤڈ سپیکر پر اعلان

ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کیونکہ جوں جوں رشتہ داروں کو پتہ لگتا گیا وہ گھر میں آ کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے اور تمام گھر لوگوں سے بھر گیا۔ اس حالت میں ہمیں بھی آرام کرنے کا موقع نہ تھا اچانک لاؤڈ سپیکر سے ایک اعلان کی آواز سنائی دی:

''ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہمارے گاؤں میں قادیانی آ گئے ہیں۔ جس کسی نے انکی مدد کی یا ان کو پناہ دی۔ انکے گھر بار جلا دیئے جائیں گے''

یہ دھمکی امیز اعلان بار بار لاؤڈ سپیکر پر ہو رہا تھا۔ ابھی ہم لیٹنے اور آرام کرنے کا بھی نہ سوچ پائے تھے کہ اس اعلان سے شدید فکر لاحق ہوئی۔ اگرچہ ہمارے رشتہ داروں نے ہمیں ایک کمرہ میں چھپا دیا اور مرد حفاظت کیلئے کھڑے ہو گئے۔ مگر ہماری تشویش بڑھ گئی اور ہم نے اکٹھے ملکر یہ فیصلہ کیا کہ ہماری وجہ سے انکو پہلے ہی بہت دکھ پہنچا ہے۔ اب ہماری ہی وجہ سے انکے گھر بار لوٹے جائیں یا جلائے جائیں یا ان کو کوئی مزید جانی نقصان ہو اس سے بہتر ہے کہ ہم گاؤں سے چلے جائیں۔ ہماری جانیں چلی جائیں اسکی ہمیں پرواہ نہ تھی مگر ہم رشتہ داروں کیلئے مزید کسی پریشانی کا باعث نہ بننا چاہتے تھے۔ ہمارے رشتہ دار ہماری اس بے سر و سامانی کی حالت میں وہاں سے جانا پسند نہ کرتے تھے۔ انہوں نے بہت روکنے کی کوشش کی مگر ہم نے اٹل فیصلہ کر لیا کہ ہماری جانیں بے شک چلی جائیں مگر ہماری وجہ سے انکو کوئی گزند نہ پہنچے۔

ابھی ہم گاؤں سے پوری طرح نہیں نکلے تھے کہ ہمارے پاس سے پندرہ بیس لوگ جو ٹارچیں اور لیمپ اٹھائے ہوئے تھے اور وہ بندوقوں اور برچھیوں وغیرہ سے مسلح تھے ہمارے پاس سے گزرے۔ اس وقت میری بیوی نے بلند آواز سے ایک گھر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''یہ شادی والا گھر نہیں ہے بلکہ وہ پیچھے رہ گیا ہے''

یہ کہہ کر وہ واپس مڑنے لگی۔ اسی اثناء میں یہ لوگ ہمارے پاس سے گذر گئے اور ہمیں پہچان

نہ سکے۔اس پر اس رشتہ دار نے جو ہمارے ساتھ آیا تھا اسنے کہا کہ یہ لوگ لازمی طور پر ہمارا پیچھا کرتے آئے ہیں مگر ہماری بہن کی عقلمندی سے وہ یہی سمجھے ہونگے کہ ہم کسی شادی والے گھر کی تلاش میں ہیں۔عزیزم امتیاز نے بھی ان لوگوں کو پہچان لیا تھا اور اپنی ماں سے آہستہ سے کہا تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کو اس نے شکرئے یعنی خوشحال آباد میں دیکھا تھا یہ ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔اسی وجہ سے اسکی ماں نے بروقت یہ فقرہ کسا جس سے وہ سمجھے کہ یہ وہ لوگ نہیں جنکو وہ تلاش کر رہے ہیں۔

جب یہ لوگ آگے بڑھ گئے تو ہم نے باہمی مشورہ کیا کہ اب اس راستہ پر چلنے کی بجائے ہمیں راستہ بدل لینا چاہئیے بعض نے چند گھروں کے متعلق کہا کہ انکے ہاں پناہ لے سکتے ہیں مگر ہم نے کسی گاؤں میں پناہ نہ لینے کا حتمی فیصلہ کر لیا تا کہ پہلے والی صورت سے پھر دو چار نہ ہونا پڑے۔میں نے کہا کہ بجائے آبادی کی طرف جانے کے ہم بیابان۔جنگل اور پہاڑ کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔میں چونکہ بچپن میں اس جگہ پر رہا تھا اسلئے خفیہ اور پہاڑی راستوں سے واقف تھا۔چنانچہ میں نے آگے آگے چلنا شروع کیا اور یہ قافلہ میرے پیچھے ہولیا۔مگر یہ راستہ خاردار اور پتھریلا تھا۔بچیوں کے پاؤں میں بجائے بند جوتیوں کے صرف ہوائی چپل تھیں جن کے ساتھ ایسے راستہ پر چلنا آسان نہ تھا۔یہ چپلیاں جھاڑیوں میں پھنس جاتیں اور پاؤں میں کانٹے چبھ جاتے۔مگر وہ بڑی ہمت سے چل رہی تھیں میں خود بھی بہت نڈھال تھا مگر چلنے پر مجبور تھا۔اگر میں ہمت ہار دیتا تو سب کیلئے بڑی مشکل ہوجاتی مگر میں انکی ہمت بندھاتا چلا جارہا تھا۔اسی حالت میں ہم نے ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ طے کر لیا اور ایک پہاڑی کے دامن میں ایک جگہ محفوظ سمجھ کر بیٹھ گئے تا کہ آرام کر لیں۔میں ذرا کمر سیدھی کرنے کیلئے لیٹ گیا اور ہمارا عزیز جو ہمارے ساتھ آیا تھا پہرہ دے رہا تھا اور دشمن کی نقل وحرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔

نیا فیصلہ اور نئی منزل

ابھی چند منٹ گذرے ہونگے کہ ہم نے لاؤڈ سپیکر پر پھر ایسا ہی اعلان سنا اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ ہم نے جس گاؤں میں جانے کا ارادہ کیا تھا وہاں بھی ہمارے متعلق خبر پہنچ چکی تھی۔ اسلئے وہاں بھی جانا ہرگز مناسب نہ تھا۔ کیونکہ ہم جس غیر احمدی رشتہ دار کے پاس جانا چاہتے تھے وہ گاؤں کی مخالفت کا اکیلا کیسے مقابلہ کر سکے گا۔ اس وجہ سے ہمیں سوچنا پڑا کہ ہمیں بجائے اس گاؤں کے کسی اور جگہ چلنا چاہیئے۔ چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم تربیلا ڈیم کی طرف چلتے ہیں۔ وہاں مکرم عزیز الحسن خان ڈی سی تھے۔ وہ تربیلا پروجیکٹ میں اسسٹنٹ ڈائرکٹر پبلک ریلیشن افسر تھے۔ وہ ہمارے بھائی کرنل احمد خان کے گہرے دوست تھے۔ ہمارے عزیز ساتھی نے بھی اس تجویز کی حمایت کی مگر اس نے کہا کہ اسے ڈیم کا راستہ معلوم نہیں ہے۔ میں نے اسے کہا کہ مجھے راستہ معلوم ہے۔ کیونکہ یہ ساری جگہیں میری دیکھی بھالی ہیں۔ چنانچہ ہم پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور اس نئی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ مگر یہ راستہ لمبا تھا وقت بھی کم تھا اور خطرہ بھی بہت تھا۔ کیونکہ جن لوگوں نے ہمارے بنگلہ پر حملہ کیا تھا۔ وہاں سے چور اور لٹیرے سامان لوٹ کر اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔ اس موقع پر میں نے اپنے اس عزیز سے کہا کہ وہ اب یہاں سے واپس چلا جائے کیونکہ بعد میں اسکی واپسی خطرے سے خالی نہیں مگر اس نے ساتھ جانے کیلئے ضد کی اور کہا کہ وہ ہمیں اس طرح چھوڑ کر کیسے واپس جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے بھی ہمارے ساتھ آگے چلنا شروع کیا۔ کبھی ہم تیز چلتے اور کبھی آہستہ ہو جاتے کیونکہ بچے ساتھ تھے۔ کبھی ان کے پاؤں میں کانٹے چبھ جاتے تو وہ نکال کر انکو مزید چلنے کیلئے تیار کرتے۔ ایک جگہ ہمیں لوگوں کی آہٹ سنائی دی۔ ہم سب ایک کھڈ میں جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گئے۔ ساتھ ہی ہم قرآنی دعاؤں کا ورد شروع کر دیتے۔ جب آہٹ کی آواز ختم ہوئی پھر ہم نے سیدھا ڈیم کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ اس مقام پر میں نے اپنے اس عزیز کو جو ہمارے ساتھ مینی سے آیا تھا زبردستی واپس کیا۔ اسکا ہم پر بڑا احسان تھا کہ ایسے

نازک وقت میں اس نے ہمارا ساتھ دیا۔ جزاہ اللہ خیراً۔

تربیلا ڈیم تک پُرخطر سفر

رات کی اس تاریکی میں اونچے نیچے راستوں سے ہم نے ڈیم کی طرف بڑھنا شروع کیا یہاں کوئی راستہ یا سڑک نہیں تھی بلکہ کھیت تھے۔ جن میں گندم کی کٹائی ہو چکی تھی۔ گندم کی ڈنڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ ان پر سے ہوائی چپل کے ساتھ چلنا انتہائی مشکل تھا۔ پھر خاردار جھاڑیاں تھیں ان سے الجھ کر کپڑے اور جوتیاں پھٹ گئیں۔ میں نے فلیٹ بوٹ پہنے ہوئے تھے اور پاؤں کو زمین پر گھسٹتا ہوا آگے چل رہا تھا۔ یہ میں اسلئے کر رہا تھا کہ اس علاقہ میں سانپ اور موذی کیڑے وغیرہ ہوتے ہیں۔ تاکہ وہ میرے بوٹ کی آواز سن کر بھاگ جائیں۔ میں نے خود کتنے سانپوں کو بھاگتے دیکھا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ کر خاموش رہا تاکہ بچے ڈر کر سہم نہ جائیں۔ بعد میں عزیزم امتیاز نے بھی بتایا کہ اس نے بھی سانپ دیکھے تھے۔ بس یا حفیظ یا عزیز یا رفیق اور دیگر دعاؤں کا وِرد جاری رہا۔ واقعی خدا تعالیٰ نے اس پُرخطر راستہ میں ہماری حفاظت فرمائی اور ہم سب خیریت سے یہ راستہ طے کر سکے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

اس دن اتیوار کی وجہ سے ڈیم پر کام بند تھا۔ کوئی مشینری یا ٹرک وغیرہ نہیں چل رہے تھے۔ مکمل سناٹا تھا۔ اس اونچی جگہ سے ہم اپنے مکانات دیکھ سکتے تھے۔ جن کو آگ لگا دی گئی تھی۔ بھڑکتی آگ کے شعلے دیکھ کر دل سے یہ دعا نکلی:

> ''اے خدا ہم کیا تھے اور کہاں تھے اور اب وہاں سے نکل کر کہاں جا رہے ہیں ہم کس قدر خستہ حالت میں کہاں جا رہے ہیں۔ کیوں اس ملک میں انسانیت ختم ہوگئی ہے کہ کوئی انسان ہم سے انسانی سلوک نہیں کر رہا۔ حکومت کیوں خاموش ہوگئی ہے اور اپنا فرض ادا نہیں کر رہی''

ایسی دعائیں کرتے ہوئے کبھی تیز اور کبھی آہستہ ہم اس مقام پر پہنچ گئے جہاں کنویر بیلٹ کا

پٹہ تھا۔ یہ پٹہ تین چار میل لمبا تھا اور اسکے ذریعہ ڈیم تک ملبہ پہنچایا جاتا تھا جوں ہی ہم وہاں پہنچے تو سائرن بج گیا اور میں سخت پریشان ہو گیا۔ کہ اب کیا کریں پٹہ چلنے والا ہے۔ ہمارے لئے آسان صورت یہ تھی کہ ہم پٹہ پر سے دوسری طرف چلے جائیں۔ کیونکہ اسطرح ہم پیچھے سے پکڑے جانے سے محفوظ ہو جاتے اور اسکا یہ فائدہ بھی تھا کہ ہم دوسری طرف چلے جائیں گے۔ کیونکہ یہاں سے کالونی میں پہنچنا قریب تھا۔ ورنہ دوسرا راستہ لمبا بھی تھا اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر سیکیورٹی گارڈ بھی موجود ہوتی ہے۔ ہمیں اس حالت میں دیکھ کر نہ معلوم وہ ہم سے کیا سلوک کریں۔ دوسری طرف یہ خطرہ تھا کہ اگر پٹہ چل پڑا تو جان بچانا مشکل ہوگی ہمیں ایسے حادثات کا علم تھا۔ بہرحال ہم نے فیصلہ کیا کہ پٹہ کے نیچے سے رینگ کر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر میرے دونوں بیٹے جن کی گود میں دو معصوم بچے بھی تھے۔ خدا تعالیٰ کا نام لیکر اور اس پر توکل کرتے ہوئے وہ پٹہ کے اوپر سے گزر گئے۔ انہوں نے حالات دیکھ کر یہ خطرناک فیصلہ ازخود کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر موت ہی آنی ہے تو پھر وقت کیوں ضائع کریں۔ میری بیٹیوں نے بھی اپنے بھائیوں کی طرح پٹہ پار کرلیا۔ میں نے انکو بار بار منع کیا کیونکہ میں ڈیم میں ملازم رہا ہوں مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ ایسے گذرنا کتنا خطرناک ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے انکو ہمت دیدی اور مجبوراً انہوں نے ایسا کیا۔ میں نے اپنی بیوی کو پٹہ کے نیچے سے گزارنے کیلئے کوشش کی مگر یہ اتنا آسان نہ تھا۔ میں نے یہ دیکھ کر محسوس کرلیا کہ یہ طریقہ بھی آسان نہیں چنانچہ میں نے بھی یہ پٹہ ویسے ہی پار کیا جیسے میرے بیٹوں نے کیا تھا۔ الحمدُللہ۔

میرا ایمان اور یقین ہے کہ یہ پٹہ خدا تعالیٰ نے صرف ہمارے لئے کھڑا کیا تھا۔ ورنہ جونہی ہم سب پٹہ پار کر گئے تو یہ بیلٹ چل پڑی اس سے ہمیں بہت روحانی طاقت نصیب ہوئی اور اپنے پیارے خدا کے اس پیارے سلوک پر عش عش کر اٹھے۔

۞

ایک ذوقی اور واقعاتی مماثلت

ہمارا پٹہ کو سلامتی سے عبور کرنا کوئی معمولی امر نہ تھا بلکہ تائید ایزدی کا زندہ ثبوت تھا۔ اس سے نہ صرف ہمارا سفر کم ہوا بلکہ دشمنوں کے پیچھا کرنے سے بھی محفوظ ہو گئے۔ یہاں پر میں ایک ذوقی مگر واقعاتی لحاظ سے ایک ایمان افروز مماثلت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں۔ جب ہم بنگلہ میں دشمن کے نرغہ میں پھنسے ہوئے تھے تو میں نے اپنے ساتھ اپنے غیر احمدی رشتہ داروں کو سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ کا یہ شعر سنایا تھا:

مسیں کبھی آدم کبھی موسیٰ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار

خدا تعالیٰ نے حضورؑ کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور دیگر کئی انبیاء کا مثیل قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسکے پیش نظر میں نے بڑی تحدی سے اپنے غیر احمدی رشتہ داروں سے کہا تھا کہ ہم اس ''پیر'' کو ماننے والے ہیں اسلیئے جیسے خدا تعالیٰ نے ان انبیاء اور ان کے ماننے والوں کو دشمنوں سے محفوظ رکھا اسطرح خدا تعالیٰ ہمیں ان دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے گا اور وہ ہم کو اس آگ میں جلا نہیں سکتے۔ اس وقت میں نے جوش میں یہاں تک کہہ دیا کہ اگر ہم بچ گئے تو آپ کو یقین کر لینا چاہیئے کہ احمدیت سچی ہے اور اگر ہم مارے گئے تو بے شک یہ سمجھ لینا کہ احمدیت برحق نہیں۔ میری اس بات کو سننے کے بعد میرے بیٹے اعجاز نے کہا کہ ''ابا آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہیئے''۔ درحقیقت اسے حالات دیکھتے ہوئے موت یقینی طور پر نظر آ رہی تھی۔ اسلیئے اسکا خیال تھا کہ اگر ہم مارے بھی گئے تو اس سے احمدیت کی سچائی پر کوئی حرف نہیں آ سکتا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہزارہا دشمنوں سے جو ہمیں جلا کر خاکستر کرنا چاہتے تھے، اس آتش نمرود سے جس معجزانہ طور پر بچایا وہ احمدیت کی صداقت کا زندہ نشان ہے اور سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ کے ظلی طور پر حضرت ابراہیم ہونے کا ثبوت ہے۔ کیونکہ ہم اسی کے ادنیٰ خدام

اور ماننے والے تھے۔اس لئے ہم خدا تعالیٰ کا جس قدر شکر کریں وہ کم ہے۔

اسی شعر میں حضور کو موسیٰ بھی کہا گیا ہے۔اسکا نظارہ بھی اسی رات خدا تعالیٰ نے ہمیں کرایا جس طرح حضرت موسیٰؑ اپنے ساتھیوں کو لیکر بحر احمر سے ایسے وقت میں پار ہوئے جب سمندر خاموش تھا۔اور جزر کی حالت میں تھا اور بعد میں جب فرعون اور اسکے ساتھی اسے پار کرنے لگے تو بوجہ مدّ کے غرق ہو گئے۔اسطرح اس رات جب ہمیں یہ خطرہ لاحق تھا کہ دشمن ہمیں پکڑ نہ لے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح ہم یہی سمجھتے تھے کہ انا لمدرکون کہ ہم دشمن کی زد میں ہیں۔اس حالت میں جب ہم بیلٹ کے پاس پہنچے تو وہ سمندر کی طرح خاموش تھی۔اور جب ہم اسے پار کر گئے تو اس وقت وہ چل پڑی اب یہ اندیشہ کہ کوئی ہمیں پکڑ نہ لے وہ جاتا رہا۔الحمدللہ۔

ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں

بیلٹ پار کرنے بعد ہم اس جگہ پر پہنچ گئے جہاں سے سڑکیں غیر علاقہ کو جاتی ہیں۔یہاں پر وہ گاؤں تھے۔جہاں سے لوگوں نے ہم پر حملہ کرنیوالوں کو ہتھیار اور گولہ بارود فراہم کیا تھا اور خود بھی لوٹ مار میں شامل ہوئے تھے۔میں چاہتا تھا کہ ہم جلد اس علاقہ کو عبور کرلیں مگر میرے بچوں کے پاؤں جواب دے رہے تھے۔جون کی گرمی کی وجہ سے ہم سب شدید پیاسے تھے۔بچے بار بار پوچھتے کہ ڈیم کتنی دور رہ گیا ہے نیز کیا وہ خطرہ والی جگہ سے نکل گئے ہیں۔میں انکو ہمت دلاتا کہ جلد یہاں سے نکلنا ضروری ہے۔آخر ہم ڈیم کی ایک کچی سڑک تک پہنچ گئے جو گدون کی طرف جاتی تھی اور جہاں سے ہمیں سخت خطرہ تھا۔

ہمارے اس کچے راستہ پر پہنچنے سے پہلے ایک پانی کا ٹینکر پانی کا چھڑکاؤ کر کے گزر گیا تھا۔ستاروں کی روشنی میں پانی چمکتا نظر آرہا تھا۔میری بچیوں نے پیاس کی شدت کی وجہ سے منہ لگا کر پانی چوسنے کی کوشش کی۔مگر چونکہ مٹی ساتھ ملی ہوئی تھی اسلئے حلق خشک ہو گیا اور مزید پریشانی ہوئی۔

اب ہمیں ایک پہاڑ پر چڑھنا تھا جسکی چڑھائی کم از کم ایک ڈیڑھ میٹر ہوگی۔مگر میری دونوں لڑکیاں پہاڑ پر چڑھنے سے لاچار تھیں۔عزیزہ امۃ القیوم کے ہاں چند دن پہلے بچی کی پیدائش

ہوئی تھی اور امۃ النصیر بھی پیاس اور تھکاوٹ کے باعث ہمت ہار بیٹھی۔ میں خود بہت کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ مگر سفر کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ میں نے دونوں بچیوں کو اپنے دونوں بازو سے سہارا دیا۔ اسطرح ہم آہستہ آہستہ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ راستہ میں کئی دفعہ کسی کھڈ میں بیٹھ کر آرام کرنے کا خیال آیا مگر وقت کی نزاکت اسکی اجازت نہ دیتی تھی۔ ہمت کر کے میں بچوں سمیت پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ اب پیاس اپنے انتہا تک تھی مگر پانی ندارد۔ وہاں پہنچ کر دونوں بچیاں پیاس سے نڈھال ہو کر گر پڑیں۔ اس وقت اتنی شدید پریشانی ہوئی کہ اسکا تصور کرنا ممکن نہیں۔ میں نے سڑک کے کنارے ایک نالہ میں ان دونوں لڑکیوں کو زمین پر لٹا دیا خود میں بیٹھ کر سوچنے لگا کہ پانی کیسے اور کہاں سے حاصل کیا جائے۔ اسوقت دن چڑھنے والا تھا۔ اور کالونی تک تقریباً ڈیڑھ میل کا سفر باقی تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں اعجاز کو آواز دی اور اسے کہا:

’’بیٹا تم ڈیم کالونی سے جا کر پانی لے آؤ۔ ورنہ یہاں سے ہمارا زندہ جانا ممکن نہیں تم جا کر ڈیم سے کسی برتن میں پانی لے آؤ‘‘

جب میں نے اس پر نظر ڈالی اس کا لباس اور جسم خون سے لت پت تھا۔ اسکا ہاتھ گولی لگنے سے زخمی اور سوجا ہوا تھا۔ اور پاؤں پر گرنیڈ لگنے سے جو زخم ہوا تھا اسکی وجہ سے لنگڑا کر چل رہا ہے۔ میں نے محسوس کیا اگر یہ ڈیم پر چلا جائے تو وہاں اسکو مشکوک سمجھ کر پکڑ لیں گے۔ نہ وہ پانی لا سکے گا اور ہم اس نوجوان بیٹے کی مدد سے محروم ہو جائیں گے۔ میں نے اسکی حالت دیکھ کر اپنا ارادہ بدل لیا۔ پھر میں نے امتیاز کے متعلق سوچا مگر وہ بہت چھوٹا تھا۔ اسکا اکیلا جانا اور واپس آنا مجھے ناممکن لگا۔ لیکن اب پانی کے بغیر ہماری حالت غیر ہوگئی۔ اس وقت میں نے خدا تعالیٰ سے یوں دعا کی:

’’اے رحمٰن و رحیم خدا: تو نے ہمیں ہر جگہ موت کے منہ سے بچایا۔ مگر کیا اب ہم پیاس سے مر جائینگے۔ ہمارا کیا قصور ہے۔ اب ہم اس پہاڑ کی چوٹی پر پانی کہاں سے لائیں۔ صبح کی روشنی ہونے کو ہے ہم کہیں جا نہیں سکتے۔ ہم سخت

تھکے ہوئے ہیں اور بھوک پیاس سے نڈھال ہیں۔اے خدا تو اپنے حبیب کی خاطر اس مصیبت اور اس موت سے بچا۔میری ان معصوم بچیوں کی پکار سن لے۔ہماری ان قربانیوں کو قبول فرما۔تو دشمن کو ہم پر ہنسنے کا موقع نہ دے۔وہ یہاں مردہ دیکھ کر مذاق اڑائیں گے کہ قادیانی پیاس سے مر گئے۔خدا نے انکو بھوک پیاس سے مار دیا۔میں نے بیوی بچوں کے ساتھ ملکر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے خدا کو واسطہ دیا کہ احمدیت کی خاطر ہمیں معجزانہ طور پر بچا''

میں اس اضطراری حالت میں دعا کرتا چلا گیا۔اس وقت جو خیال ذہن میں آیا ان الفاظ میں دعا کیلئے پکارتا رہا۔اچانک میں نے نظر اٹھا کر جو دیکھا تو مجھے سامنے ایک سفید چبوترہ نظر آیا۔پہلے میں نے سمجھا کہ وہم ہے۔مگر میں نے اپنے حواس درست کر کے اپنے بیٹے اعجاز کو آہستہ سے آواز دی اور اسے کہا:

''دیکھو مجھے سفید چبوترہ نظر آرہا ہے اور اس پر پانی کا کوزہ بھی نظر آرہا ہے۔''

اس نے بھی اسطرف دیکھا تو اسکو بھی ویسا ہی نظر آیا۔اور وہ وہاں گیا اور کوزہ کو ہلایا اور کہا:

''بابا واقعی کوزہ ہے اور اس میں پانی ہے''

میں نے کہا جلد لاؤ۔یہ جگہ دس پندرہ فٹ دور ہوگی وہ کوزہ لایا تو فوری طور پر وہ پانی پہلے ایک لڑکی کو پلانا شروع کیا پھر تھوڑا دوسری کو دیا اور پانی ختم ہوگیا۔میری بیوی نے کہا کہ پانی ختم ہوگیا ہے۔میں اس وقت پانی ملنے پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کر رہا تھا اور آئندہ پروگرام کیلئے سوچ رہا تھا مگر یہ خوشی جلد ختم ہوگئی اور میں نے خدا سے یہ شکوہ کیا:

''اے خداوند ہمارے ساتھ اسقدر کنجوسی کا سلوک کیوں؟ ہمیں کیوں سسک سسک کر مار رہے ہو۔ہر نیا امتحان پہلے سے بڑھ کر ہے۔اے خدا ہم میں اب مزید آزمائش کی طاقت نہیں۔پانی بھی دیا اور وہ بھی اتنا تھوڑا۔اے خدا ہماری خطائیں

معاف فرما۔اس وقت انتہائی بے بسی کے عالم میں اپنے بچوں کے ساتھ بیمار پڑا ہوں۔اے خدااس آڑے وقت میں ہماری مدد فرما۔اے خدا ہمیں کامل یقین ہے کہ تو ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔مگر ہمیں مزید نہ آزمانا کیونکہ اسکی اب ہم میں سکت نہیں ہے''

پانی نکل آیا

اس کڑی گھڑی میں میں نے دل کھول کر دعا کی۔اس موقع پر خدا تعالیٰ نے ہمارے ساتھ وہی سلوک فرمایا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مکّہ کے بیابان میں فرمایا تھا۔ہوا یوں کہ میرا چھوٹا بیٹا امتیاز جو اس انتظار میں تھا کہ اب اسکے پانی پینے کی باری ہے لیکن جب اس نے اپنی ماں سے یہ سنا کہ پانی ختم ہو گیا ہے۔تو وہ مایوس اور نڈھال ہو کر اس پہاڑی پر ہاتھ دراز کر کے لیٹ گیا۔اسکا ہاتھ بجائے زمین کے ایک پانی کے حوض پر پڑا اور اس نے آواز دی:

''بابا پانی نکل آیا ہے۔پانی ہے''

پانی کا سن کر میں جلد اٹھا اور اُدھر کو بھاگا۔دیکھا تو واقعی وہ ایک حوض میں ہاتھ مار رہا تھا میں نے یہ جائزہ لینے کیلئے کہ پانی کتنا ہے۔شکر الحمدللہ کا ورد کرتے ہوئے اپنا ہاتھ اسمیں ڈالا واقعی پانی بہت تھا میں حیران تھا کہ یہ کوئی چشمہ ہے یا پائپ لائن سے پانی آیا ہے۔وہاں ہی مجھے ایک کپ مل گیا۔سب نے وہ بھر بھر کر خوب پیا اور اسطرح پیاس کی آگ ٹھنڈی ہوئی۔

ایسے حالات میں اور شدید پیاس کے وقت معجزانہ طور پر پانی کا اتنی وافر تعداد میں پہاڑ کی چوٹی پر اچانک مل جانا ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔ہم سب نے پانی پی کر سجدہ شکر ادا کیا۔میں تو اس چبوترے پر بیٹھ کر خدا تعالیٰ کے غیر معمولی الطاف و اکرام کے سلوک کا دیر تک شکر ادا کرتا رہا اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا ورد کرتا رہا۔دل سے یہ آواز نکلی کہ:

''اے خدا تو رحمن ہے۔رحیم اور کریم ہے۔تو نے ہماری تضرعات کو سنا اور ہمیں ان تمام خطرات سے نجات بخشی''

پانی پینے سے ہم سب میں ایک نئی زندگی اور توانائی پیدا ہوئی اور آئندہ کے متعلق پُر امید ہو گئے کہ خدا تعالیٰ ہمیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ اس نے واقعی ہر خطرہ کے موقعہ پر اپنے حافظ و ناصر ہونے کا ثبوت دیا۔ یہی وہ زندہ خدا ہے جس پر زندہ ایمان اس زمانہ کے امام نے ہمارے دلوں میں اجاگر کیا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے کیا خوب فرمایا ہے:

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے میرے فلسفیو! زورِ دُعا دیکھو تو

معصوم بچوں کا مثالی صبر

اگلے حالات بیان کرنے سے قبل خاکسار اس امر کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ جہاں خدا تعالیٰ نے ہمیں ان نا مساعد حالات کے برداشت کی توفیق دی وہاں ہمارے معصوم بچوں کو بھی غیر معمولی صبر سے نوازا اس سفر میں ہمارے ساتھ دو چھوٹے بچے تھے۔ میری بیٹی عزیزہ امۃ القیوم کے ہاں دو ماہ قبل عزیزہ مریم صدیقہ پیدا ہوئی تھی۔ اسکا ایک بیٹا بلال احمد صرف دو سال کا تھا ان دونوں بچوں کو میرے دونوں بیٹوں نے تمام راستہ میں اٹھائے رکھا مگر بچہ آخر بچہ ہوتا ہے اسے حالات کی نزاکت کا احساس نہیں ہوتا۔ اس نے دودھ پانی اور بستر پر لیٹنے کیلئے رونا اور شور کرنا ہوتا ہے۔ مگر عجیب بات جو میرے لئے انتہائی حیرت کا باعث تھی کہ وہ تمام راستہ خاموشی کے ساتھ گلے کے ساتھ لگے رہے۔

ڈیم کالونی کیلئے روانگی اور نئے خدشات

اب اس پہاڑی سے اترائی کیلئے ہم روانہ ہوئے۔ یہ قدرے نسبتاً آسان معلوم ہوئی۔ کیونکہ پانی پی کر تازہ دم ہو گئے تھے۔ اب مجھے اس بات کی پریشانی لاحق ہوئی کہ ہم ڈیم کالونی میں کیسے داخل ہونگے۔ کالونی کے اِرد گرد جال نصب ہے اور داخلہ کیلئے گیٹ ہے۔ جہاں روشنی بھی ہوتی ہے اور ڈیوٹی پر پولیس بھی موجود رہتی ہے۔ وہ ہمیں اس حالت میں اندر نہیں جانے دینگے پھر یہ کہ

کالونی میں ہم کس کے پاس جائینگے اور کون ہمیں پناہ دے گا۔ اس پریشانی میں بعض افراد کے متعلق سوچ رہا تھا۔ پھر یہ کہ ہم خالی ہاتھ تھے اور لباس کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ پاؤں میں جوتیاں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ میں اسی سوچ میں ڈوبا ہوا اترائی سے نیچے تیزی سے جارہا تھا۔ اتنے میں اچانک ایک لینڈروور گاڑی ایک موڑ مڑ کر ہم تک پہنچ گئی۔ اگر ہم اسے پہلے دیکھ لیتے تو عین ممکن ہے کہ ہم پتھروں کے پیچھے چھپ جاتے کیونکہ ہم یہی خیال کرتے کہ یہ کوئی دشمن علاقہ کے لوگ ہونگے۔ ڈرائیور نے ہمیں دیکھ کر غالباً ہمارے ساتھ بچوں اور عورتوں کو دیکھ کر گاڑی روک لی ہمیں آواز دی کہ گھبراؤ نہیں۔ اس وقت میرے دل میں متعدد خدشات پیدا ہوئے کہ شائد یہ گاڑی فسادیوں سے بھری ہو اور ہماری ہی تلاش میں ہو۔ اس خیال سے میں گاڑی کی پچھلی طرف سے دیکھتا ہوا ڈرائیور کی طرف گیا۔ گاڑی میں پیچھے کوئی آدمی سوار نہ تھا۔ آگے ڈرائیور کے ساتھ صرف ایک شخص تھا جو کوئی افسر تھا۔ قریب پہنچنے پر میں نے ڈرائیور کو پہچان لیا کہ وہ ڈیم کا ملازم تھا۔ قبائلی علاقہ کا نہ تھا۔ میں نے اس سے ڈیم تک پہنچنے کیلئے مدد مانگی۔ اس نے مجھ سے چند سوال کئے کہ اسوقت کہاں سے آرہے ہو۔ کہاں جارہے ہو وغیرہ وغیرہ۔

میں نے مصلحتاً گول مول جواب دیئے۔ پہلے تو اس نے معذرت کی کہ ان کو جلد گدون پہنچنا ہے کیونکہ شفٹ ڈیوٹی ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ اگر وہ انسانی ہمدردی کے ناطہ ہمیں صرف رائٹ بنک تک پہنچا دیں۔ وہاں سے ہم فلاں آفیسر کے گھر چلے جائیں گے۔ اس پر ساتھ بیٹھے ہوئے آفیسر نے ڈرائیور سے بات کی جس پر اس نے ہمیں جلد گاڑی میں بیٹھنے کیلئے کہا۔

چنانچہ ہم سب لینڈروور میں سوار ہو گئے۔ ایسے وقت میں سواری کا انتظام بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا اور ہم سب خدا کے حضور جذبات تشکر سے معمور تھے پھر اسطرح مجھے گیٹ میں سے داخل ہونیکے متعلق جو پریشانی تھی۔ اسکا ہمیں سامنا نہ کرنا پڑا۔ گاڑی کالونی میں داخل ہو گئی۔ اب ہم حاجی عبداللہ خان غازی ایکس ان (XEN) کے بنگلہ پر جانا چاہتے تھے۔ وہ اگرچہ غیر احمدی تھے لیکن شریف النفس انسان تھے اگرچہ اعجاز کو اس بنگلہ کا علم تھا مگر قدرے اندھیرے اور کچھ

پریشانی کی وجہ سے وہ گھر نہ پہچان سکا۔اسلئے ہم نے ڈرائیور سے کہا کہ وہ ہمیں وہاں اتار دے ہم اس بنگلہ کو تلاش کر کے پہنچ جائیں گے۔ایک جگہ جہاں روشنی تھی اس نے ہمیں اتار دیا اور ہم نے اسکی اس امداد پر بہت شکریہ ادا کیا۔وہاں چند پولیس افسر اور سیکیورٹی گارڈ کھڑے تھے۔وہ ہمارے پاس آ گئے۔انہوں نے جب ہمیں زخمی حالت میں دیکھا اور کپڑے بھی خون سے لت پت تھے انہوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ان میں سے کسی نے کہا:

''معلوم ہوتا ہے کہ تم قادیانیوں کو قتل کر کے انکی عورتوں کو بھگا کر لائے ہو''

انکو ہم نے یقین دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔تاہم وہ ہمیں مسلح دیکھ کر اور اس حالت میں دیکھ کر پریشان ضرور تھے۔کہ آخر کیا معاملہ ہے۔بہر حال وہ ہمیں حاجی صاحب کے بنگلہ تک لے گئے۔بنگلہ کے سیکیورٹی عملہ نے بھی ہمیں روکا۔مگر حاجی صاحب نے اندر سے ہمیں دیکھ لیا اور اعجاز کو پہچان لیا اور انہوں نے ہمیں اندر بلا لیا۔پھر نہایت محبت سے ہم سے باری باری بغلگیر ہوئے ہماری مستورات زنانہ گاہ میں داخل ہوئیں وہاں مکرم حاجی صاحب کی بیمار بیوی اور بچیاں ان کے ساتھ لپٹ گئیں اور اونچی آواز سے رونے لگیں۔

اسی گھر میں دوسرے کمرہ میں میری بیوی کی بہن جو مکرم صاحبزادہ خلیل الرحمٰن کی بیوی تھی اور اسکے بچے بھی پناہ لئے دعاؤں میں مصروف تھے۔حاجی صاحب کی بیٹی نے دروازہ کھول کر اس کو ہماری خبر دی تو اس اچانک ملاقات سے جذبات کو ضبط نہ کر سکیں۔رونے کی یہ آوازیں باہر بھی سنی گئیں اور پولیس نے یہ سمجھ کر کہ اندر کچھ غلط کاروائی ہو رہی ہے۔انہوں نے بنگلہ کا گھیرا ڈال دیا۔مگر مکرم حاجی صاحب نے انکو تسلی دلائی کہ ایسی کوئی بات نہیں بلکہ دیر سے ملاقات کی وجہ سے ہے۔

اب ایک طرف عورتیں انکے حالات سننے کیلئے بیقرار تھیں اور بڑی توجہ سے یہ داستان الم وغم سن رہی تھیں اور دوسری طرف مردانہ میں مکرم حاجی صاحب ہمارے حالات اور معجزانہ واقعات سن کر روتے جا رہے تھے۔اور مسلمان معاشرہ اور موجودہ حکومت کی نااہلی کو کوستے جا رہے تھے۔ساتھ ہی انہوں نے چائے وغیرہ بھجوانے کیلئے کہا۔اس سے پہلے نہانے اور کپڑے

بدلوانے کا انتظام کیا اور گھر سے اپنے اور بچوں کے کپڑے پہننے کیلئے دیئے۔ ہمارے خون آلود کپڑے بھگو دیئے۔ مگر رات کو نلکا میں پانی ختم ہونے سے مکمل طور پر نہ دھوئے جا سکے۔ ہم مکرم حاجی صاحب کی اس کرم فرمائی کیلئے انتہائی طور پر ممنون تھے۔ ان کے ہاں کھا پی کر اور آرام کر کے ہمیں سکون نصیب ہوا۔ جزاہ اللہ خیراً۔ گزشتہ چند روز کی شدید پریشانی اور غیر معمولی تھکان کے بعد یہ آرام ایک نعمت سے کم نہ تھا۔ الحمدللہ علیٰ ذلک۔

غیر معمولی طویل رات

اگلے حالات بیان کرنے سے قبل یہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم ۸ جون کی رات کو کبھی بھی بھول نہیں سکتے۔ بلکہ اس رات کے متعلق میرا تاثر یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس رات کو ہمارے لئے بہت لمبا کر دیا تھا۔ اگرچہ خدا تعالیٰ کے قانون قدرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ لیکن اس رات ہم نے اپنے گھر بار کو ایسی حالت میں چھوڑا جبکہ ہزارہا افراد ہم پر حملہ آور تھے۔ اور ان سب کے درمیان سے ہم معجزانہ طور پر نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ اسی حالت میں اور اس امید پر کہ مینی میں ہمیں پناہ مل جائے گی مگر ہمیں بچوں سمیت وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ پھر ڈیم کالونی تک رات کے اندھیرے میں تقریباً چودہ پندرہ میل کا سفر بیابان جنگل، ویرانہ اور پہاڑی پرسے طے کرنا پڑا۔ کھانے اور پینے کا بھی کوئی سامان نہ تھا۔ معصوم بچے اٹھائے ہوئے ہم یہ پُرخار راستہ پر چلتے ہوئے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے منزل مقصود تک صبح طلوع ہونے سے قبل پہنچ گئے۔ ہم نے کسطرح یہ تمام سفر ایک رات میں طے کرلیا خود مجھے اس پر یقین نہیں آتا۔ راستہ کی تمام روکوں اور مشکلات کو خدا تعالیٰ نے دور فرمایا۔ ہمارے لئے یہ ممکن بنا دیا کہ راتوں رات (جس کیلئے پہلے سے بھی کوئی منصوبہ نہ تھا) ہم جان کے دشمنوں سے بچ کر محفوظ جگہ پر پہنچ گئے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے اس رات کو کھینچ کر لمبا کر دیا تھا تا کہ تاریکی کے پردہ میں ہم اس بظاہر ناممکن مہم کو سر کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ وما ذلك على الله بعزيز۔

اگلا سفر اور اگلی منزل

صوبہ خیبر پختونخواہ میں جو حالات تھے اسکے پیش نظر ہمارے لئے اس صوبہ میں کسی جگہ ٹھہرنا خطرہ سے خالی نہیں تھا۔ لازمی طور پر جب ہمارے دشمنوں کو ہمارے بچ نکلنے کا علم ہوگا تو وہ اپنے انتقامی جذبہ کی تسکین کیلیے ہر ممکن کوشش کرینگے۔

اسلئے ہم نے یہ پروگرام بنایا کہ ہم پنجاب میں چونیاں کے مقام پر چلے جائیں جہاں میرے چھوٹے بھائی عزیزم کرنل احمد خان متعین تھے۔ اگرچہ پنجاب کے حالات بھی خراب تھے۔ تاہم بوجہ ملٹری کالونی میں ہونے کے ہم نسبتاً محفوظ ہوں گے اور دشمن کی زد سے بھی دور ہونگے۔

جب مکرم حاجی صاحب کو ہمارے پروگرام کا علم ہوا تو انہوں نے ہمارے لئے ایک بڑی پک اپ کا انتظام کردیا۔ کیونکہ ہمارے ساتھ اہلیہ خلیل الرحمٰن صاحب اور ان کے بچے بھی جانے کیلیئے تیار ہو گئے۔ وہ بھی اپنے گھر میں محفوظ نہ تھے اسلئے انہوں نے حاجی صاحب کے گھر میں پناہ لے رکھی تھی۔

اَلْحَمْدُ لله مکرم حاجی صاحب نہایت وسیع القلب اور ہمدرد انسان ثابت ہوئے تھے۔ انہوں نے نہ صرف ان پُرخطر حالات میں ہمیں پناہ دی بلکہ ہمارے ساتھ نہایت فیاضانہ سلوک فرمایا۔ ہمارے حالات سننے کے بعد ان کو بخوبی اندازہ تھا کہ ہم جن حالات میں اپنے گھر سے نکلے تھے ہمیں زادراہ کیلیئے رقم کی ضرورت ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے مجھے مبلغ پانچصد روپے کی رقم دینے کی کوشش کی مگر میں نے شکریہ کے ساتھ واپس کردی۔ لیکن انہوں نے اس کے لئے اصرار کیا۔ میرے مسلسل انکار کے بعد انہوں نے یہ رقم میری سالی کو دیدی تاکہ بعد میں وہ یہ رقم مجھے دیدے۔ انکی یہ نوازش بھی خدائی امداد تھی جو راستہ کی ضروریات میں کام آئی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارا معاشرہ بہت بگڑ چکا ہے تاہم کچھ خدا ترس لوگ ابھی موجود ہیں۔ اسی بناء پر کسی نے صحیح کہا ہے:

ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

واقعی حاجی صاحب بھی ان میں سے تھے۔اللہ تعالیٰ انکی اس بے لوث اور بروقت خدمت کی بہترین جزا دے۔

ہم ڈیم کالونی سے روانہ ہوئے۔راستہ میں گورہ کالونی میں ایک عزیز سے ملنے اور انکو حالات بتانے کے بعد راولپنڈی کیلئے روانہ ہوئے۔وہاں سے ہم بذریعہ بس لاہور کیلئے روانہ ہوئے۔اور پھر وہاں سے بذریعہ بس چونیاں پہنچے۔لاہور سے میں نے اپنے بھائی سے بذریعہ فون رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔کرنل صاحب ابھی چند دن پہلے ٹوپی سے ہو کر واپس آئے تھے،اب اچانک ہمیں اس حالت میں دیکھ کر سب کچھ بھانپ گئے۔ٹوپی میں حالات کے متعلق مکرم صاحبزادہ عبدالحمید صاحب نے ایک دن پہلے انکو بذریعہ تار اطلاع دی تھی انہوں نے حکام سے رابطہ کی کوشش کی تھی۔مگر وہاں جو قیامت گذر گئی اسکا کسی کو علم نہ تھا۔ہمارے زندہ پہنچنے پر سب حیران تھے اور بار بار ہمیں ملکر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتے۔

میں چونکہ زخمی تھا سر کے زخم میں پیپ پڑ گئی تھی۔اسطرح عزیزم اعجاز کو جو پاؤں میں گرنیڈ لگا تھا اسکے پاؤں میں بھی زخم خراب ہو چکا تھا۔انہوں نے فوری طور پر ان کی مرہم پٹی کا انتظام کیا اور ہماری حالت دیکھ کر نیند آور گولیاں کھلا کر نیند پوری کرنے کا انتظام کیا تا کہ کچھ سکون ملے۔

تفکرات کا ہجوم اور الٰہی نصرت

ابھی میرے ذہن میں متعدد تفکرات اور خدشات کا ہجوم تھا۔سفر کے دوران ہی مجھے ایک غم اپنے بڑے بیٹے عزیزم شیر علی بشارت کے متعلق تھا۔جو منڈی بہاء الدین شوگر ملز میں ملازم تھا ٹوپی میں بدلتے حالات کو دیکھ کر میں نے اسے بذریعہ تار وہاں آنیکے لئے کہا تھا۔مجھے یہ خدشہ تھا کہ وہ ضرور وہاں پہنچا ہوگا اور دشمنوں نے اسے لازمی طور پر مار دیا ہوگا۔سارے سفر میں ہم اسکے لئے دعائیں کرتے رہے چونیاں پہنچ کر ہم نے منڈی بہاء الدین بہت دفعہ فون کرنے کی کوشش کی مگر وہاں رابطہ نہ ہو سکا۔اس وجہ سے مزید پریشانی بڑھتی گئی۔اس حال میں ہم یہ دعائیں

کرتے جارہے تھے:

''اے خداوند تو بشارت کو زندہ سلامت ہم تک پہنچا دے''

اس غم میں ہمیں اپنے کھانے پینے کا بھی خیال بھولا ہوا تھا مختلف قسم کے خیالات ذہن میں آتے اور غم میں مزید اضافہ کرتے چلے جاتے۔

یہ ہماری تضرعات کا ہی اثر تھا کہ خدا تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا کہ عزیزم بشارت بجائے ٹوپی جانے کے ہمارے پاس چونیاں پہنچ گیا۔ دن کے گیارہ بجے تھے کہ کسی نے بلند آواز سے کہا:

''بشارت لالہ آ گیا ہے''

خدا تعالیٰ کی اس مہربانی پر ہم جذبات تشکر سے لبریز بشارت سے بغلگیر ہوئے۔ الحمدُ للہ۔

اس کے ساتھ میرا بھتیجہ نثار محمد خان اور ہمارا مختار کار عبدالحکیم جو ٹوپی کے معرکہ میں ہمارے ساتھ رہے تھے۔ وہ بھی پہنچ گئے۔

خدا تعالیٰ نے یہ عجیب تصرف فرمایا کہ ایک طرف عزیزم بشارت منڈی بہاءالدین سے اپنے اصل راستہ کو چھوڑ کر ٹوپی جانے کیلئے لالہ موسیٰ پہنچا تا کہ وہاں سے خیبر میل پکڑ سکے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خیبر میل چار گھنٹے لیٹ ہے۔ کیونکہ جلد پہنچنا تھا اسلئے بس پکڑنے کیلئے سٹیشن سے باہر نکلا۔ اُدھر نثار محمد خان اور عبدالحکیم ٹوپی سے بچ کر بشارت کے پاس جانا چاہتے تھے۔ انکو بھی کسی نے مشورہ دیا کہ بجائے کھاریاں یا جہلم جانے کے براستہ لالہ موسیٰ چلے جاؤ۔ جب یہ وہاں پہنچے تو وہاں اچانک بشارت سے ملاقات ہوگئی۔ اور ملکر اونچی آواز میں رونا شروع کیا۔ اسطرح عزیزم بشارت کو جب اصل حالات کا علم ہوا تو اس نے ٹوپی جانے کی بجائے چونیاں جانے کا فیصلہ کیا تا کہ وہ اپنے چچا کو ان حالات سے باخبر کرے۔ وہ چونیاں صرف اطلاع دینے کی غرض سے آیا تھا۔ اور اسطرح اللہ تعالیٰ نے ملاقات کی صورت پیدا کر دی۔

دوسرا بڑا غم مجھے اپنے داماد عزیزم فیض محمد خان کے متعلق تھا میں جب گھر میں اپنے نواسوں اور ان کی ماں کو دیکھتا تو میرا دل کٹ کر رہ جاتا کہ ان کی آئندہ زندگی کیسے گزرے گی۔ ابھی تک عزیزم

فیض محمد خان کے متعلق یہی اطلاع تھی کہ وہ زندہ نہیں بچا۔ ۸ جون کی رات کو جب ہم بنگلہ سے نکلے تھے تو اسوقت وہ نیم مردہ حالت میں بے ہوش تھا اور اس قابل نہ تھا کہ وہ اٹھ سکے یا چل سکے۔ اس وقت ہمارے لئے کوئی چارہ کار نہ تھا کہ اسکو اس حالت میں چھوڑ کر جاتے ہمیں یقین تھا کہ وہ اسی حالت میں خود مر گیا ہوگا۔ تاہم کچھ شواہد ایسے تھے جس سے یہ شبہ ہوتا تھا کہ شائد بچ گیا ہو۔

اس بارہ میں پہلی شہادت عزیزم امتیاز کی تھی۔ اس نے جب اپنے بچ نکلنے کی کہانی سنائی تھی تو اس نے یہ بتایا کہ جب وہ بنگلہ سے نکل کر باہر کھیت میں آیا تو اس نے ایک شخص کو لنگڑا کر کھیت میں چلتے دیکھا۔ اسکے لباس اور قد کاٹھ سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ لالہ فیض محمد ہیں۔ وہ اسے دیکھ کر یقین کرنا چاہتا تھا لیکن کچھ اور لوگوں کے آجانے کی وجہ سے وہ انکو قریب سے جا کر نہ دیکھ سکا تا کہ یقین ہوتا کہ وہی ہیں یا کوئی اور بلکہ ان لوگوں سے ڈر کر وہ وہاں سے کھسک گیا۔ بعض اور شواہد ملنے سے قبل ہمارے معرکہ کے شریک عزیزم نثار محمد خان اور عبدالحکیم جب آئے اور ان سے فیض محمد کے متعلق پوچھا تو وہ دھاڑیں مار کر رونے لگے اور عبدالحکیم نے تو گردن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ دشمنوں نے اسکا سر کاٹ دیا تھا۔ یہ سن کر ہم مزید پریشانیوں میں ڈوب گئے ۔ میری بیٹی امۃ القیوم نے (جو پہلے ہی ایسی خبروں سے نڈھال تھی) یہ سنا تو اس نے بڑی ہمت سے بلند آواز سے کہا:

> ''فکر نہ کرو۔ فکر نہ کرو۔ اس نے خدا کی راہ میں جان دی ہے وہ ضائع نہیں ہونگے۔ ہم صبر کریں گے ہم صبر کریں گے''

یہ کہتے کہتے وہ بے ہوش ہوگئی۔ فوری طور پر ڈاکٹر کو بلایا گیا اور گلوکوز وغیرہ دیا گیا اور اسے ایک الگ کمرہ میں لٹا دیا گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وہ جلد ہوش میں آ گئی۔

عزیزم فیض محمد کے متعلق ایک اطلاع یہ بھی تھی کہ وہ ایک کھیت میں گرا ہوا تھا تو ایک شخص نے اسکو مارنے کیلئے اسکے سر پر دو گولیاں چلائیں مگر وہ دونوں نہ چل سکیں۔ اتنے میں کسی ہمدرد نے پولیس افسران کو اطلاع کر دی اور وہ وہاں جلد پہنچ گئے۔ انہوں نے گولی چلانے والے شخص کو

گرفتار کرلیا اور فیض محمد کو بجائے کسی قریبی ہسپتال میں بھیجنے کے اسے دور ڈیم کالونی کے ہسپتال میں بھیج دیا۔ اسکی تصدیق عبدالحکیم کے اس بیان سے ہوئی کہ اسے ٹوپی کے ایک دوست شاہنواز نے بتایا تھا کہ فیض محمد زخمی تھا اور پولیس اسے ٹوپی کے تھانہ میں لے گئی تھی۔ اس کے برعکس نثار محمد کا یہ بیان تھا کہ اسکے والد نے اسے بتایا کہ بنگلہ میں ایک لاش بغیر سر کے تھی اور اسے دفنانے کا انتظام کیا جارہا تھا۔ غالباً وہ فیض محمد خان کی لاش تھی۔

الغرض عزیزم فیض محمد خان کے متعلق متضاد شہادتیں اور بیانات تھے۔ اس غیر یقینی صورتحال کے پیش نظر میری طبیعت دعا کی طرف مائل ہوئی۔ اور مجھے یہ یقین تھا کہ خدا تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔ کیونکہ ابتلاء کے ان ایام میں میرا تجربہ تھا کہ ہم نے جو دعا کی اسے خدا تعالیٰ نے معجزانہ طور پر قبول کیا۔ اس سے قبل عزیزان بشارت اور امتیاز کے متعلق شدید پریشانی تھی۔ الغرض میں نے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کیلئے ہاتھ بلند کئے اور اس سے نہایت تضرع اور الحاح سے یہ عرض کیا:

> ''اے رحمٰن و رحیم خدا! تو جو چاہتا ہے کرسکتا ہے۔ تو مردہ کو زندہ کرسکتا ہے۔ کن فیکون تیری شان ہے۔ ہم تیرے عاجز بندے ہیں اور ہم اس غم میں گھل رہے ہیں۔ تو ہماری تضرعات کو قبول فرما اور فیض محمد خان کو مردہ سے زندہ کر کے اپنی صفت احیاء کا معجزہ عظیم دِکھا۔ تو ہمارے غموں کو دور فرما تو ہر قدرت والا ہے۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ اے خدا تو ناممکن کو ممکن بنا سکتا ہے''

یہ دعا میں نے سب افراد خانہ کی موجودگی میں بلند آواز سے کی اور اس کے ساتھ وہ سب آمین کہتے جاتے تھے۔ چونکہ فیض محمد خان کے متعلق دو قسم کے بیانات تھے اسلئے حتمی صورت معلوم کرنے کیلئے ہم نے مناسب سمجھا کہ وہاں کسی کو بھیج کر صحیح حالات معلوم کئے جائیں چنانچہ اس مقصد کیلئے عزیزم نثار محمد خان اور عبدالحکیم کو ٹوپی بھجوانے کی تجویز ہوئی تا کہ صحیح صورتحال کا علم ہو

سکے۔ ان دونوں کو ہم نے دعاؤں کے ساتھ ٹوپی رخصت کیا اور خود دعاؤں میں لگے رہے۔

ان دونوں نے سب سے پہلے ٹوپی اور صوابی کے ہسپتالوں میں فیض محمد خان کو تلاش کرنا شروع کیا۔ یہاں پر تمام وارڈ زخمیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے سب کو چھان مارا مگر فیض محمد کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوا۔

اگلے روز یہ دونوں اپنے گاؤں شکریٔ خوشحال خان گئے۔ وہاں نثار محمد خان کے والد نے یہ وضاحت کی کہ جس لاش کا سر غائب تھا اور اسکے متعلق شبہ تھا کہ وہ فیض محمد خان تھے۔ وہ اطلاع درست نہ تھی بلکہ وہ لاش کسی اور کی تھی۔ اسکے ورثاء وہاں آ گئے تھے اور وہ اس کو پہچان کر لے گئے تھے۔ اس سے انکو تسلی ہوئی کہ فیض محمد خان کی حتمی موت کی جو شہادت تھی وہ درست نہ تھی۔ اس کے بعد ان کو اے سی کی عدالت سے پتہ چلا کہ فیض محمد خان کو تربیلا ڈیم کے ہسپتال میں بھیجا گیا تھا۔ چناچہ یہ دونو ڈیم کے ہسپتال پہنچے۔ وہاں پر انہوں نے ایک چارٹ پر اسکا نام لکھا ہوا دیکھا جس سے وہ بہت خوش ہو گئے کہ وہ زندہ یہاں علاج کیلئے آیا تھا۔ ہسپتال والوں نے بتایا کہ وہ واقعی زخمی حالت میں آیا تھا اور علاج کے بعد اسے فارغ کر دیا گیا تھا۔ ایک ہسپتال کے اردلی نے مزید بتایا کہ وہ مریض احمدی تھا اور کچھ لوگ اسکو مارنے کے درپہ تھے اسلئے اسکا کمرہ تین دفعہ بدلا گیا کچھ علاج کے بعد وہ ہسپتال سے چلا گیا۔ بہرحال انہوں نے یہ خوشخبری بذریعہ فون ہمیں بتائی۔ اسکی تصدیق صاحبزادہ عبدالرشید نے بھی کی کہ صوابی کے اے سی نے بتایا کہ فیض محمد خان زخمی تھا اور ڈیم ہسپتال میں علاج کیلئے بھیجا گیا تھا اب یہ فکر لاحق ہوئی کہ آخر فیض محمد خان ہسپتال سے ڈسچارج ہونیکے بعد کہاں گیا۔ پھر یہ خدشات پریشان کر دیتے کہ جو دشمن اسکے قتل کے درپہ تھے انہوں نے کہیں اسکو مار نہ دیا ہو۔ کیونکہ وہ شدید زخمی تھا اور قریب المرگ تھا اور کمزوری سے صحیح طور پر چل نہیں سکتا تھا۔ پھر یہ بھی خیال آتا کہ اسکے پاس کوئی رقم بھی نہ ہوگی۔ ان حالات میں اسکا غنڈوں سے بچ نکلنا ممکن نظر نہ آتا تھا۔ ان تمام باتوں کو سوچ کر پھر خدا تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعاؤں میں لگ جاتے کہ وہی اسے بچا سکتا ہے اور اسکی حفاظت کر سکتا

ہے۔رات پھر ہمیں نثار اور حکیم کے فون کا بھی انتظار رہا تا کہ کوئی مزید خبر ملتی اور تسلی ہوتی اس شدید پریشانی کے عالم میں صبح ہوئی اور ناشتہ کا وقت ہو چکا تھا مگر کسی چیز کیلئے دل نہیں کرتا تھا صرف فون پر نظر تھی کہ شاید کوئی اطلاع آئے۔

ان ایام میں خدا تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کو کس طرح بپایہء قبولیت جگہ دی وہ بیان سے باہر ہے۔اس پیارے خدا نے تمام ناممکنات کو ممکن بنا دیا۔

عزیزم فیض محمد خان کو ہم نے بنگلہ میں ایسی حالت میں چھوڑا تھا کہ وہ زخموں کی وجہ سے بے ہوش تھا۔اسکا ہمارے ساتھ نکلنا ناممکن تھا۔اسلئے ہم عزیزم نذیر احمد کی لاش کے ساتھ اسے بھی چھوڑ کر نکل گئے تھے۔بعد کے شواہد بھی یہی تھے کہ وہ زندہ نہیں صرف ایک ہلکی سی امید تھی۔مگر وہ ہمارے کسی سراغرساں کو ملا نہ تھا۔لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت تھی کہ یہی فیض محمد خود چل کر ہم تک پہنچ گیا اور گیٹ کے باہر اپنی کمزوری اور شدید نقاہت کے باعث گر گیا اور سپاہی نے اندر آ کر بتایا کہ کوئی شخص گیٹ کے باہر گرا پڑا ہے۔ہم نے جا کر دیکھا کہ وہ تو فیض محمد خان تھا۔گھر میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔اسے اٹھا کر اندر لائے۔ہم سب شکر الحمدللہ کرتے ہوئے سجدوں میں گر گئے خدا تعالیٰ کی اس شان پر حیران تھے اور ہماری زبانیں اسکی تسبیح وتحمید سے تر تھیں۔یہ تو واقعی احیاء موتی کا معجزہ تھا۔دوسری طرف ہمارے سراغرساں عزیزان نثار اور حکیم بھی عزیزم فیض محمد کی تلاش بسیار کے بعد واپس مایوس ہو کر لوٹے اور جب ان کو بتایا کہ فیض محمد خان پہنچ گیا ہے تو انکی بھی جان میں جان آئی اور روتے ہوئے فیض محمد سے لپٹ گئے۔

فیض محمد خاں کی کہانی خود اسکی زبانی

جیسا کہ پہلے میں لکھ چکا ہوں کہ ہم تو عزیزم فیض محمد خاں کو بنگلہ سے نکلتے وقت قریب المرگ سمجھ کر چھوڑ آئے تھے۔ وہ کیسے بچا اور کیسے زندہ رہا یہ ہم سب کیلئے معمہ تھا جو اس نے یوں حل کر دیا:

''بنگلہ میں کوئی زوردار دھما کہ ہوا غالباً یہ گرنیڈ کے پھٹنے کا تھا اس شدید آواز سے میں ہوش میں آ گیا۔ میں نے دیکھا کہ میرے چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہے۔ خود میرے کمرہ میں بھی آگ لگی ہوئی تھی۔ آگ کی وجہ سے میرا جسم گرم ہو گیا۔ جب آگ میری چار پائی کے قریب پہنچ گئی تو اس سے میرا جسم گرم ہو گیا۔ اور اسکی روشنی میں مجھے غسلخانے کا دروازہ نظر آیا۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی مگر کمزوری سے چکرا کر گر گیا۔ پھر دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا غسلخانے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ وہاں تھوڑا پانی پیا اور پھر باہر کا دروازہ کھول کر باہر پہنچ گیا۔ صحن میں کمزوری کے باعث چلنا مشکل تھا اور آگے نہ جا سکا۔ اسوقت دو تین لوگ سامان اٹھائے میرے پاس سے گزرے۔ ایک نے پوچھا یہ کون ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ کوئی بیمار ہے اور ساتھ ہی جلدی جلدی سامان لے جانے کیلئے کہا۔ وہ لوگ گذر گئے میں ہمت کر کے آہستہ آہستہ ان لوگوں کے درمیان سے ہوتا ہوا بنگلہ سے باہر حجرہ تک پہنچا۔ وہاں تھوڑی دیر بیٹھ کر آرام کیا۔ پھر وہاں سے اٹھ کر باہر کھیت میں پہنچ گیا۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں کہ میرے ساتھ کیا بیتی۔ ایک آواز میں نے سنی کہ یہ فیض محمد خان ہے پھر کسی نے کہا کہ یہ اصلی قادیانی ہے۔ جب انہوں نے مجھے اٹھایا تو ملٹری کی ٹوپی دیکھی اور میں نے خیال کیا کہ شائد فوج آ گئی ہے کیونکہ یہ فوجی افسر کی ٹوپی تھی۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں کہاں اور کیسے گیا۔ ہوش میں آنے کے بعد معلوم ہوا کہ مجھے تربیلا ڈیم کے ہسپتال

میں بھیج دیا گیا تھا۔وہاں پر پہلے تو ان کو میرا پتہ نہ تھا لیکن جب پتہ لگا کہ میں احمدی ہوں تو مجھے ہراساں و پریشان کرنے لگے۔کھانے پینے کو کچھ نہ دیتے۔ مجھے دو تین جگہوں پر تبدیل کرتے رہے مجھے اس وقت اپنے عزیز و اقارب کا غم کھائے جا رہا تھا۔ کہ وہ سب مارے گئے ہوں گے ۔میری بیوی اور بچے بھی مارے گئے ہونگے۔ میں بہت بے چین تھا اور ان لوگوں سے پوچھنے لگا کہ مجھے یہاں کیسے لایا گیا۔انہوں نے باہمی مشورہ کر کے مجھے ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا اور ہسپتال کا خرچہ پنتالیس روپے لے لیا۔ہسپتال سے سخت کمزوری کی حالت میں نکل کر خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے چل پڑا۔ پہلے ایک نزدیک کے تھانے میں گیا۔میں نے انکو اپنی روئیداد سنائی اور ان سے یہ درخواست کی کہ وہ ٹوپی کے تھانے سے پتہ کریں کہ وہاں کوئی احمدی موجود ہے خاص کر ٹوپی کی صاحبزادہ فیملی اور صوبیدار عبدالغفور یا ان کے گھر والے موجود ہیں یا نہیں ۔ٹوپی کے تھانہ والوں نے صرف اتنا بتایا کہ صاحبزدگان تو پشاور چلے گئے ہیں اور اب یہاں کوئی احمدی نہیں ہے ۔صوبیدار صاحب کے متعلق کچھ پتہ نہیں۔ نیز انہوں نے ڈیم کے تھانہ والوں سے کہا کہ اس شخص کو یہاں پر ہرگز نہیں آنا چاہیئے کیونکہ یہاں اسکے لئے سخت خطرہ ہے۔

تربیلا ڈیم میں ایک احمدی سپرنٹنڈنٹ مکرم اختر صاحب تھے میں انکے گھر چلا گیا۔وہ ابھی دفتر سے نہ آئے تھے اور وہاں پولیس نے مجھے ٹھہرنے نہ دیا۔میں قریبی جھاڑیوں میں چھپ کر انکی آمد کا انتظار کرنے لگا۔تقریباً تین بجے وہ دفتر سے آئے ۔اب میں نے انکا دروازہ کھٹکھٹایا وہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر بہت خوف زدہ ہو گئے۔ میں نے ان کو اپنی روئیداد سنائی اور صوبیدار صاحب کے متعلق پوچھا انہوں نے مجھے یہ مژدہ جانفزا سنایا کہ وہ اور ان کے گھر والے زندہ سلامت ہیں۔وہ خوشحال آباد کو چھوڑ کر کسی محفوظ جگہ چلے گئے ہیں۔البتہ یہ معلوم ہوا تھا کہ ان

کے دو بھانجے شہید ہو گئے تھے۔ میں نے انکے نام پوچھے تو انہوں نے بتایا کہ ایک تو انکے داماد تھے اور دوسرے کا پتہ نہیں۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے۔ انکو جو تھوڑے بہت حالات پتہ تھے وہ انہوں نے مجھے بتائے۔ پھر انہوں نے مجھے کھانا کھلانے کی کوشش کی مگر میں کچھ کھا نہیں سکتا تھا کیونکہ میرے جبڑے میں گولی لگنے سے منہ حرکت نہیں کر سکتا تھا کچھ شدید غم سے بھوک ختم ہو چکی تھی۔

اب میں نے ارادہ کیا کہ میں چونیاں میں کرنل احمد خان کے پاس جا کر حالات کا پتہ کرتا ہوں۔ ویسے میری وہاں سے روانگی سے قبل مکرم اختر صاحب مجھے اپنی گاڑی میں لے کر تین چار افراد کے پاس گئے تا کہ خاندان والوں کا کچھ پتہ چل سکے مگر کوئی کامیابی نہ ہوئی اسکے بعد ہم غازی گئے وہاں سے مجھے غیر متوقع طور پر ایک راولپنڈی جانیوالی ویگن مل گئی جو خالی تھی انہوں نے مجھے بیمار سمجھ کر پچھلی سیٹ پر لٹا دیا پھر راولپنڈی سے رات کا سفر کر کے لاہور پہنچ گیا۔ اس تمام عرصہ میں شدت غم نے بھوک پیاس ختم کر دی تھی۔ اس حالت میں لاہور سے چونیاں کیلئے روانہ ہو گیا۔ دل ہی دل میں کئی خیالات جنم لیتے رہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ میں اسی ناگفتہ بہ حالت میں بنگلہ کے گیٹ تک پہنچ گیا۔ اور وہاں شدید کمزوری کی وجہ سے لڑکھڑا کر گر گیا۔ حتیٰ کہ جب سنتری نے میرے متعلق پوچھا تو مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اپنے متعلق کچھ بتا سکتا۔ البتہ میں نے خاموش دعا کا سہارا لیا:

''اے خداوند تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم نے تیری خاطر قربانی دی ہے تو
اسے قبول فرما اور میرے بیوی بچے اور تمام خاندان مجھے ملا دے۔''

اس دعا کی قبولیت بہت جلد ہوئی کیونکہ چند منٹ بعد میں نے آپ سب کو اپنی طرف آتے دیکھا الحمد للہ۔''

عزیزم فیض محمد خان کی نئی زندگی خدا تعالیٰ کی صفت احیاء موتی کا زندہ ثبوت ہے۔ یقیناً خدا تعالیٰ نے قران مجید میں جن احیاء موتی کے معجزات کا ذکر فرمایا ہے وہ اسی قبیل سے تھے۔ ورنہ حقیقی موت کے بعد پھر کوئی زندہ ہو کر واپس اس دنیا میں نہیں آتا۔

مجھے اس بات پر بھی بجا فخر ہے کہ عزیزم فیض محمد خان کی فوتیدگی اور گمشدگی کی اطلاعات کے تمام عرصہ میں میری بیٹی عزیزہ امۃ القیوم اہلیہ فیض محمد خان نے جس مثالی صبر اور خدا تعالیٰ کی تقدیر پر شکر گزار رہنے کا جو نمونہ دکھایا وہ بہت غیر معمولی ہے۔ اس تمام عرصہ میں اس نے صبر کا دامن نہ چھوڑا اور ہمیشہ نہایت ہمت سے ان اندوہناک اطلاعات پر اپنا ردّ عمل ظاہر کیا۔ واقعی یہ خدائی وعدہ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِين کی صداقت کا نشان ہے۔

بڑے لوگوں کا صبر تو پھر بھی سمجھ آسکتا ہے لیکن اسکی نوازئیدہ بچی عزیزم مریم صدیقہ جو اس سانحہ کے وقت دو ماہ کی تھی۔ اس نے جو صبر دکھایا وہ نا قابل فہم ہے۔ ۹ جون کی قیامت خیز رات میں جب عزیزم امتیاز احمد نے اسے اپنی گود میں اٹھایا ہوا تھا وہ بھوکی پیاسی خاموش رہی۔ ورنہ ایسے موقع پر بالعموم بچے رو کر ہلکان ہو جاتے ہیں۔ اگر ایسی صورت ہوتی تو ہم جسطرح چھپ کر نکل رہے تھے۔ اسمیں کئی مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ ماں کا دودھ خشک ہو چکا تھا ویسے دودھ اور پانی تک میسر نہ تھا اس وجہ سے اس بچی کی بینائی متاثر ہوئی۔

وہ اس قابل نہ تھی کہ صحیح طور پر دیکھ سکے اسے چلنے کیلئے چھڑی استعمال کرنا پڑتی ہے لیکن خدا تعالیٰ کا کسقدر فضل ہے کہ اس نے نہ صرف اس بچی کو ان ناگزیر حالات میں زندہ رکھا۔ بلکہ جرمنی میں جا کر اپنی تعلیم مکمل کرنیکی توفیق دی۔ یکم دسمبر ۲۰۱۰ء سے وہ با قاعدہ جرمنی میں جج کا امتحان پاس کر چکی ہے۔ اسکی زندگی اور اسکی باوجود بینائی کی کمی کے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا خدا تعالیٰ کا عظیم فضل اور نشان ہے۔ الحمدللہ علیٰ ذالك۔

❁

ملٹری میں فرقہ واریت کے اثرات

ملک میں فرقہ واریت کا جو عفریت سر اٹھائے دوڑ رہا تھا اس سے صرف عوام ہی متاثر نہ تھے بلکہ اسکا اثر ملٹری اور پولیس میں بھی سرایت کر گیا۔ اسکا کچھ اندازہ ہمیں اسطرح ہوا کہ جب مکرم کرنل صاحب کا تبادلہ ڈیرہ اسماعیل خان میں بطور کمانڈنٹ ہوا تو وہ حسبِ روایت سول اور پولیس افسران سے ملے کہ مقامی حالات کا علم ہو سکے جو ان کی کارکردگی میں مفید ہوتا ہے۔ چنانچہ ان ملاقاتوں کے دوران ایک بڑے پولیس افسر نے ان سے کہا:

''شکر ہے آپ آ گئے ہیں ورنہ آپ سے پہلے کمانڈٹ کرنل شریف احمد قادیانی تھے''

اس سے کرنل احمد خان کو اندازہ ہوا کہ ڈیرہ میں احمدیوں کے خلاف جو بلوہ اور فساد ہوا وہ ایسے ہی پولیس افسروں کے ایماء اور شہ پر ہوا ہوگا۔ خود میرے بیٹے اعجاز احمد خان جو ملٹری کالج جہلم سے تعلیم یافتہ تھا جب اس نے اگلے کورس کیلئے درخواست دی اور کاغذات تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے بھیجے تھے تو وہ ردّ کر دیئے گئے حالانکہ وہ ہر لحاظ سے اسکا اہل تھا پھر ایسے خاندان سے تھا جس کی ملٹری کیلئے شاندار خدمات تھیں۔ لازمی طور پر یہ احمدیت سے تعلق کی وجہ سے تھا۔ اسی طرح میرے بھائی کرنل احمد خان کے دونوں بیٹے عزیزم محبوب احمد خان اور عزیزم منظور احمد خان بہت ذہین اور لائق تھے۔ انہوں نے ملٹری کالج جہلم اور کیڈٹ کالج کوہاٹ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ پاکستان فوج کے بہترین سرمایہ ثابت ہو سکتے تھے مگر ان کو صرف احمدی ہونیکی وجہ سے فارغ کر دیا گیا۔ یہ صرف ہمارے بچوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ ہر جگہ چن چن کر احمدیوں کو فوج سے نکال دیا گیا۔ جو کچھ باقی تھے ان کی ترقیات روک دی گئیں۔ چنانچہ ہمارے خاندان کے کرنل احمد خان، کرنل زین العابدین اور میجر نثار احمد خان کے ساتھ یہی سلوک ہوا۔ افسوس اس امر کا ہے کہ کسی نے یہ نہ سوچا کہ مذہبی بنیادوں پر باصلاحیت افراد کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک ملک و قوم کو تباہی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ لیکن کسی میں یہ ہمت نہیں کہ اس کے خلاف آواز بلند کرے۔

حضرت قائداعظم محمد علی جناح کے واضح ارشادات اس بارہ میں ہمارے لئے مشعل راہ کا کام دے سکتے ہیں۔اسبارہ میں ان کا ذاتی نمونہ سب کے سامنے ہے۔مگر وہ مذہبی تنظیمیں جو قائداعظم کے زمانہ میں ان کے خلاف تھیں اور پاکستان کے بنانے کے خلاف کانگریس کی ہم نوا تھیں۔آج وہ ملک کو تباہی کی طرف لے جارہی ہیں۔کاش وہ لوگ جن کے ہاتھ میں ملک کی باگ دوڑ ہے اس نازک صورتحال کا جلد ادراک کریں اور قائداعظم کے اصولوں اور عملی نمونہ پر عمل پیرا ہونیکی کوشش کریں۔اسی میں ملک وقوم کی ترقی کا راز ہے۔

معرکہ ٹوپی میں ہمارے بنگلہ پر ہزارہا افراد حملہ آور تھے خدا تعالیٰ نے ہم چاروں احمدیوں یعنی خاکسار اور میرے دو بیٹے اور میرا داماد کو جس معجزانہ طور پر بچایا اسکی تفصیل بیان کی جاچکی ہے۔لیکن میرے کچھ بھانجے بھی اس معرکہ میں شامل تھے۔چنانچہ میرے دو بھانجے یعنی نذیر محمد خان اور نور محمد خان شہید ہو گئے تھے۔وہ اپنی ہوش اور اپنی خوشی سے ہمارے ساتھ اس جہاد میں شامل تھے۔خدا تعالیٰ انکی اس قربانی کو قبول فرمائے اور انکو اس کی بہترین جزائے خیر دے۔

عزیزم نذیر محمد تو ہماری موجودگی میں ہی گولی لگنے سے مر گیا تھا۔ہمیں خطرہ تھا کہ ہمارے نکلنے کے بعد حملہ آور گھر میں داخل ہوئے تو اسکی لاش کی بے حرمتی نہ کریں۔مگر خدا تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا اور اسکی لاش منی میں ٹھیک حالت میں پہنچ گئی۔عزیزم نور محمد ہماری موجودگی میں ہی ٹانگ پر گرنیڈ لگنے سے شدید زخمی ہو گیا تھا اور اسکا کافی خون بہ گیا تھا۔جب ہم اوپر کی منزل سے نیچے اتر آئے تو یہ گھبرا کر باہر حجرہ میں سے نکل کر ایک چنبیلی کے پودے کے پیچھے چھپ گیا۔جب ہم نے بنگلہ سے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا تو وہ ہمارے ساتھ نہ نکل سکا اور وہیں چھپا رہا۔لیکن جب بنگلہ میں لوٹ مار شروع ہوئی تو ان ''جہادیوں'' نے مرغیوں تک کو نہ چھوڑا، چنانچہ ایسا ہی ایک جہادی مرغی کو پکڑنے کی کوشش میں مرغی کے پیچھے دوڑا۔مرغی جان بچا کر اس چنبیلی کے پودہ کے پیچھے چلی گئی جب اس نے مرغی کو پکڑنے کیلئے اندر ہاتھ مارا تو عزیزم نور محمد کی ٹانگ اسکے ہاتھ میں آگئی جب اسکو باہر نکالا تو اس نے شور مچایا کہ یہ قادیانی یہاں چھپا ہوا ہے۔اس پر اسکے چند

ساتھی وہاں پہنچ گئے اور نور محمد خان کو باہر نکالا۔ اس نے بہت کہا کہ وہ قادیانی نہیں بلکہ سنّی ہے۔ مگر ''جوش جہاد'' میں انہوں نے ایک نہ سنی اور ایک دو نے اسکو پکڑا اور ایک نے اسکے سر پر گولی ماردی اس وجہ سے اسکی بعد میں شناخت نہ ہوسکی اور یہ خبر پھیل گئی کہ یہ صوبیدار صاحب کا ڈرائیور بوستان خان ہے۔ بعد میں جب پولیس آئی تو وہ یہ لاش اپنے ساتھ تھانہ میں لے گئی۔ پولیس کے رجسٹر میں اسکا نام بوستاں درج تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ بوستان تو زندہ ہے۔ جب اسکی تصدیق ہوگئ تو اس نام کو بدل کر نور محمد کر دیا گیا اور اسکی قبر پر بھی یہی نام لکھا گیا۔ بہر حال پولیس کے بروقت اس لاش پر قبضہ کرنے کے یہ لاش بھی بچ گئی اور جلائی نہ گئی اور نہ ہی اسکی بے حرمتی ہوئی۔

جہادیوں کا لاشوں سے غیر اسلامی سلوک

اس بات کا ذکر اسلئے بھی ضروری ہے کہ میرے عزیزوں کی لاشیں بے حرمتی سے بچ گئیں۔ کیونکہ ان ''جہادیوں'' نے بعد میں بنگلہ کے اندر اور باہر جو لاشیں پڑی ہوئی تھیں ان کے ساتھ جو سلوک کیا وہ انکی جہالت اور وحشی ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان لوگوں نے اپنے ہی لوگوں کی لاشوں کو احمدیوں کی لاشیں سمجھ کر آگ میں جلانا شروع کر دیا تا کہ وہ ان کو خود واصل جہنم کر سکیں اور ثواب حاصل کریں۔

ہوا یوں کہ یہ حملہ آور دُور دراز کے علاقوں سے تھے اور اجرتی قاتل تھے وہ ایک دوسرے کو پہچانتے نہ تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بعد میں ایک دوسرے سے پوچھتے کہ صوبیدار صاحب کس شکل وصورت اور جسم کے تھے۔ کچھ جاننے والے بتاتے کہ وہ موٹا اور مضبوط جسم والا تھا۔ چنانچہ جب اس قسم کی لاش ملتی تو اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آگ میں پھینکتے جاتے اور خوشیاں مناتے جاتے۔ درحقیقت اس جنون میں یہ لعنتی لوگ یہ وحشیانہ حرکات اندھا دھند کرتے رہے۔ اس غلطی کا احساس تو اسوقت ہوا جب لوگ اپنے گمشدہ لوگوں کی تلاش کرنے آئے۔ اور جب ان کو بعد میں یہ معلوم ہوا کہ صوبیدار تو زندہ ہے تو اس راکھ میں اپنے آدمیوں کی نشانی ڈھونڈتے رہے اور

اپنے ہی لوگوں پر لعنت بھیجتے رہے۔کاش یہ دیکھ کر ہی انکی آنکھیں کھل جاتیں۔

جہادیوں کی انتقامی دھمکیاں

اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے کہ جو لوگ ہمیں مارنے نکلے تھے وہ خود ہی کچھ ہماری اور کچھ باہمی گولیوں کا نشانہ بن گئے ۔اگرچہ صحیح تعداد کا اندازہ مشکل ہے لیکن یہ کافی تعداد میں تھے۔جب ان لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ ہم بچ کر نکل گئے ۔اور مینی میں پناہ لی ہے۔خاص طور پر وہ لوگ جن کے عزیز اقارب مر گئے تھے۔انکی آتش انتقام بھڑک اٹھی ۔اسلئے انہوں نے مینی میں ہمارے رشتہ داروں کو نوٹس دینا شروع کئے۔ان کا خیال تھا کہ انہوں نے مجھے اور میری فیملی کو چھپایا ہوا ہے۔اسلئے حملہ کی دھمکیاں دی جارہی تھیں۔اس بناء پر انکی پریشانی لازمی تھی۔لیکن خدا تعالیٰ نے اس سے اسطرح نجات کا سامان کیا کہ دس جون کو صبح ملیشیا کے دو ٹرک بھرے ہوئے وہاں آگئے ۔ پہلے وہ مینی گئے اور پھر خوشحال آباد بھی گئے ۔ غالباً یہ انتظام مکرم صاحبزادہ عبدالحمید کی جنرل بابر سے بات چیت کے بعد ہوا۔درحقیقت وہ ہماری مدد کیلئے آئے تھے لیکن ہمارے رشتہ دار عزیزم شیر خان اور سرتاج محمد وغیرہ نے انکو اصل حالات بتائے کہ وہ رات کو آئے تھے لیکن یہاں سے ڈیم کالونی چلے گئے تھے۔انکی جب ہمارے متعلق تسلی ہوگئی تو وہ واپس چلے گئے۔لیکن اسکا فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کو پتہ لگ گیا کہ اب فوج حرکت میں آگئی ہے اسلئے مزید ایسی شرارتیں بند ہوگئیں اور مینی میں ہمارے عزیزوں کی پریشانی بھی دور ہوگئی۔الحمدُ لِلہ۔

صوبیدار غلام سرور خان اور محمد اسرار کی شہادت

ٹوپی میں احمدیوں کے چند گھرانے تھے اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹانے کیلئے ہزار ہا لوگ حملہ آور تھے۔ ہمارا باہمی رابطہ نہ تھا کیونکہ اس زمانہ میں ٹیلیفون کی سہولت موجود نہ تھی۔ ان حالات میں کسی شخص کے ذریعہ پیغام بھیجنا یا خبر معلوم کرنا بھی ممکن نہ تھا۔ مجھے تو صرف اپنے متعلق معلوم تھا لیکن یہ اندازہ ضرور تھا کہ باقی احمدیوں کے خلاف بھی ان جہادیوں نے اپنے مزموم عزائم پورا کرنے کیلئے کچھ کمی نہ کی ہوگی۔

بعد میں جب نثار محمد خان اور حکیم صاحب کو عزیزم فیض محمد خان کے متعلق معلوم کرنے کے کیلئے ٹوپی بھیجا گیا تو انہوں نے آکر بتایا کہ مکرم صوبیدار غلام سرور خان اور انکا بھتیجہ محمد اسرار خان شہید ہو گئے ہیں۔ ان کا گھر ٹوپی شہر سے باہر کچھ فاصلہ پر تھا۔ حملہ کے وقت یہ دونوں اس گھر میں تھے۔ ان کے گھر کے چاروں طرف گھیراؤ ڈالا گیا۔ یہ بالائی منزل سے ان حملہ آوروں کو دیکھ رہے تھے کہ ایک گولی ان کے سینہ میں لگی اور وہ سیڑھیوں میں گر گئے۔ عزیزم اسرار نے دوڑ کر ان کو سہارا دینے کی کوشش کی کہ اتنے میں یہ جہادی گھر کے اندر آ گئے اور اسکو للکار کر نیچے اُتر آنے کیلئے کہا۔ یہ سیڑھیوں سے نیچے آیا تو اسکے کپڑے خون سے لت پت تھے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ صوبیدار صاحب کو گولی لگ گئی ہے۔ اب اس بچہ پر برس پڑے اسے کہا کہ کلمہ پڑھو۔ اس نے کلمہ پڑھا اور ساتھ ہی یہ کہا:

> ”کاکا ہم مسلمان ہیں کلمہ پڑھتے ہیں پنجوقتہ نماز پڑھتے ہیں اور میرا والد اس سال حج کر کے آیا ہے“

لیکن یہ جاہل اور سرکاری مسلمان خود اسلام اور کلمہ سے نابلد ہیں۔ وہ تو یہ ”جہاد“ صرف لوٹنے کیلئے کر رہے تھے۔ اسلئے انہوں نے اس بچہ کی کنپٹی پر پستول رکھ کر پے در پے وار کئے اور پھر ان دونوں لاشوں کے ساتھ ایسی غیر اسلامی حرکات کیں کہ انسانیت شرمسار ہو کے رہ گئی۔

یہ بھی سننے میں آیا کہ ایک عورت جو احمدی نہ تھی لیکن اسکا ان گھروں میں آنا جانا تھا اس نے جب ان لاشوں کے ساتھ یہ بدسلوکی دیکھی تو اس نے اپنا سینہ پیٹ لیا۔ اور ان جہادیوں کو گالیاں اور بد دعائیں دینے لگی۔ اس نے مزید کہا کہ یہ لوگ تو سچے اور پکے مسلمان تھے۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنے پر تم کو شرم آنی چاہیئے۔ ان بے غیرت جہادیوں نے اپنے پستول کی نالی اسکی طرف پھیر دی وہ ان لوگوں پر لعنت بھیجتے ہوئے بھاگ گئی۔ اور جب یہ لوگ لوٹ مار کر کے چلے گئے تو اسی عورت نے اپنی چادر سے ان لاشوں کو ڈھانپا۔ بعد میں یہ معلوم ہوا کہ پولیس ان دونوں شہیدوں کی لاشوں کو تھانے لے گئی اور پھر ایک جگہ عزیزم نور محمد کے ساتھ ان دونوں کو بھی دفن کر دیا گیا۔

صاحبزادہ عبدالحمید خانصاحب اور انکی فیملی کا خروج

صاحبزادہ عبدالحمید خان صاحب اور انکے بھائی صاحبزادہ عبدالرشید پیدائشی احمدی تھے انکے والد صاحبزادہ عبداللطیف بہت ہی مخلص اور فدائی احمدی تھے انہوں نے اپنے بیٹوں کو تعلیم کیلئے قادیان بھجوایا تھا خود ساری زندگی احمدیت کا پیغام دوسروں تک پہنچانے کیلئے کوشاں رہے۔ سب سے بڑھ کر آپ کا عملی کردار انتہائی شفاف تھا اور ایک حقیقی مسلمان کی تصویر تھے۔ آپ کے چچا زاد سر عبدالقیوم خان مشہور سیاسی شخصیت تھے۔ بہر حال اس تمام خاندان کا ٹوپی کے لوگوں پر گہرا اثر تھا اور انکو نہایت عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا۔

اس خاندان کے اثر و رسوخ کی بناء پر یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ انکے خلاف کوئی تحریک کامیاب ہوسکتی ہے۔ لیکن ۱۹۷۴ء میں جب حکومت ہی فرقہ واریت کو ہوا دے رہی تھی اور خاص طور پر جماعت کو مٹانے کیلئے ہر حربہ استعمال کر رہی تھی۔ تو قبائلی جہادیوں کو اسکے لئے آلہ کار بنایا گیا۔ جب وہ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوئے تو انکو اس ''خدمت'' کیلئے آگے کیا گیا اور خود بعض کمینہ صفت دشمن پیچھے رہ کر ان کو شہ دیتے رہے۔

اگرچہ صاحبزادہ صاحب کو شیر پاؤ کی حکومت نے ہر تحفظ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن حملہ آور ہزاروں کی تعداد میں تھے اور انہوں نے جب احمدی گھرانوں کا گھیراؤ کرنا شروع کیا۔ تو ان کے گھر پر چار رضا کار محافظین کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ انکی شہادت کے بعد پولیس نے صرف اتنا کام کیا کہ ایک بس کا انتظام کیا اور ان کو وہاں سے نکال کر پشاور پہنچا دیا۔ صاحبزادہ صاحب کی تمام دکانوں اور مکانوں کو دشمنوں نے پولیس کی آنکھوں کے سامنے لوٹا اور بعد میں آگ بھی لگا دی۔

ہیلی کاپٹر پر ٹوپی کا آنکھوں دیکھا حال

اس واقعہ سے ایک دن پہلے یعنی ۸ جون کو صاحبزادہ عبدالحمید نے کرنل احمد خان کو ایک ٹیلیگرام بھیجا کہ ہم سب انتہائی خطرہ کی حالت میں ہیں۔ کرنل صاحب نے فون پر اپنے بریگیڈیر صاحب کو بتایا کہ میرے بھائی اور خاندان کے افراد سخت خطرہ کی حالت میں ہیں اور انکے گھر بار محفوظ نہیں ہیں۔ یہ پیغام بذریعہ کمانڈر پشاور جنرل بابر صاحب کو پہنچا۔ چنانچہ وہ ایک ہیلی کاپٹر کے ذریعہ ۸ جون کو ٹوپی پہنچے۔ وہاں ضلعی حکام نے بتایا کہ انہوں نے صاحبزادہ صاحب کی فیملی کو یہاں سے نکال کر پشاور بھجوادیا ہے۔ البتہ انکے مکان اور جائیداد کو لٹیروں نے لوٹ لیا ہے۔ پھر انہوں نے کرنل احمد خان کے گھر کا پوچھا۔ تو انہوں نے انکے بنگلہ کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا اور جائے وقوع پر خود ہیلی کاپٹر کے ذریعہ وہاں گئے یہ وہی ہیلی کاپٹر تھا جسے ہم نے اپنے بنگلہ سے دیکھا تھا لیکن وہ چکر لگا کر واپس چلا گیا تھا۔ ہم نے چھت پر سے ہیلی کاپٹر کو سفید چادر لہرا کر اشارہ کیا مگر وہ فوراً چلا گیا۔

ہیلی کاپٹر سے جنرل بابر صاحب نے جو نظارہ دیکھا کہ میلوں میل دور لوگوں کا سیلاب تھا اور اس کوٹھی میں صرف چند آدمی محصور تھے۔ چاروں طرف فائرنگ ہو رہی تھی انکو یقین تھا کہ اس حالت میں انکے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ لیکن پھر بھی انہوں نے پشاور پہنچ کر دو ٹرک ملیشیا فورس کے بھجوانے کا انتظام کیا نیز جنرل صاحب نے برگیڈیر صاحب کو ساری صورتحال کی اطلاع دی اور اس خدشہ کا اظہار کیا کہ اس کوٹھی کے رہائشی کسی صورت میں ان حملہ آوروں سے بچ نہ پائے ہوں گے۔

بریگیڈیر صاحب نہایت شریف النفس انسان تھے۔ انہوں نے ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے وقت اور پھر مشرقی پاکستان میں ۱۹۷۱ء کے وقت کے حالات دیکھے ہوئے تھے جن میں انکے رشتہ دار اپنوں اور بیگانوں کے ہاتھوں نہایت بے بسی کی حالت میں مارے گئے تھے۔ ٹوپی میں

ان حالات کو سن کر انکو وہی زمانہ یاد آگیا اور بے اختیار ہو گئے اور اس سوچ میں پڑ گئے کہ اس المناک واقعات کی اطلاع کس طرح کرنل صاحب کو کروں۔ اسوجہ سے کرنل صاحب سے فون پر بات کرنے سے کتراتے رہے۔ لیکن جب رابطہ ہوا تو کرنل صاحب سے صرف اتنا پوچھا:

''کیا آپ کو کوئی خبر آئی ہے''

انکا خیال تھا کہ لازمی طور پر قتل وغارت کی افسوسناک خبر ہوگی۔ لیکن ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب کرنل صاحب نے ان کو یہ خوش خبری سنائی:

''میرے بھائی اور ان کے بچے خیریت سے چونیاں پہنچ گئے ہیں صرف اس سانحہ میں ان کے دو بھانجے نہیں بچ پائے''

بریگیڈئیر صاحب نے جس ذمہ دار افسر سے تمام حالات سنے تھے اسکی بناء پر وہ کسی ایسی خوشخبری کا وہم وگمان بھی نہ کر سکتے تھے۔ اسلئے انہوں نے بار بار نہایت تفصیل سے ان کے بچ نکلنے کے واقعات کو سنا اور اس پر تعجب کا اظہار کیا۔ انہوں نے پھر صرف اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ خود اوکاڑہ سے آکر ہم سب سے ملے اور ہماری زبانی تمام حالات کو سننے کا عندیہ ظاہر کیا۔

جس دن عزیزم فیض محمد کی گھر میں غیر متوقع آمد ہوئی اور ہم سب اسکو زندہ دیکھ کر بہت خوش تھے۔ اسی دن بریگیڈئیر صاحب بھی ہمارے پاس اوکاڑہ سے تشریف لائے وہ ہمیں بڑی محبت سے ملے اور ہماری حالت دیکھ کر وہ اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے۔ کیونکہ میرے لئے اٹھنا بیٹھنا مشکل تھا ایسا لگتا تھا کہ گویا جوڑ جام ہو گئے ہیں۔ عزیزم اعجاز بھی اپنے پاؤں کے زخموں کی وجہ سے سہارے سے چلتا تھا اور عزیز فیض محمد کی تو یہ حالت تھی کہ اسے دو آدمی سہارا دیکر لائے۔ یہ نہایت شریف النفس انسان تھے اور انہوں نے ہماری یہ حالت دیکھ کر اور یہ جان کر کہ خود مسلمانوں نے یہ سب ظالمانہ کاروائی کی ہے نہایت روندھی ہوئی آواز میں کہا:

''مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ لوگوں کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی مگر خدا تعالیٰ کا بہت شکر ہے کہ آپ یہاں زندہ سلامت پہنچ گئے''

انہوں نے ہمیں بہت حوصلہ دیا۔ بالکل ایسے جیسے ایک بہادر کمانڈر اپنے سپاہیوں کو دیتا ہے۔ انکی ہمدردی سے ہمیں بہت تسلی ہوئی اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور انکو ہر آفت سے محفوظ رکھے۔

مرشدی سیدنا امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات

مکرم بریگیڈیر ڈاکٹر ضیاء الحسن صاحب کا راولپنڈی سے مکرم کرنل احمد خان کو فون ملا اور انہوں نے ہمارے حالات دریافت کئے اور ہماری خیریت سے چونیاں پہنچنے پر خوشی کا اظہار کیا اور مجھے یہ پیغام دیا ''مَشر'' پشتو میں سب سے بڑے بزرگ کو کہتے ہیں۔ یعنی حضرت امیر المومنین آپ کو یاد فرماتے ہیں اور آپ کو دیکھنے کی خواہش اور انتظار فرما رہے ہیں۔ اسوقت میں شدید کمزور حالت میں تھا۔ مجھ میں اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے کی طاقت نہ تھی۔ نیز میرا حافظہ بہت متاثر ہوا تھا۔ بنگلہ میں اپنا کمرہ اور غلسخانہ وغیرہ بھول جاتا۔ جب میں قدرے تندرست ہوا تو میں چند دوستوں کی معیت میں ربوہ حضور کی ملاقات کیلئے گیا۔ حضورؒ کے تشریف لانے سے قبل حضورؒ کے کمرہ میں نماز شکرانہ ادا کی۔ جب حضورؒ تشریف لائے تو انہوں نے نہایت محبت سے باری باری معانقہ فرمایا۔ حضورؒ نے بہت دیر تک مجھے اپنے سینہ سے لگائے رکھا اور پھر حالات دریافت کرنا شروع کئے۔ میں چاہتا تھا کہ جلد جلد تمام قیامت خیز واقعات بیان کردوں تا کہ حضور کا وقت بھی ضائع نہ ہو اور ہمارا غم بھی ہلکا ہو جائے۔ بعض اوقات میں جذباتی ہو جاتا تو حضور مجھے تسلی دیتے جاتے۔ خدا تعالیٰ کی غیر معمولی تائید و نصرت کا ذکر کرتے وقت مجھ پر رقت طاری ہو جاتی اور میرے ساتھی آب دیدہ ہو جاتے۔ اسوقت حضور بھی بھرائی ہوئی آواز میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتے جاتے۔

ظالموں کیلئے خدائی عذاب

ہمیں یقین ہے کہ جماعت احمدیہ کے خلاف جن ظالموں نے اپنی ظلم و بربریت کا مظاہرہ کیا لازمی طور پر انہوں نے خدا تعالیٰ کے غضب اور انتقام کو دعوت دی ہے۔ ان میں سے بعض نے تو جلد اسی دنیا میں اسکا نظارہ کیا ہے۔ ہمارے پاس ایسے ذرائع نہیں کہ ان سب کے متعلق معلومات حاصل کر سکیں تاہم جن بعض کے متعلق ہمیں علم ہوا وہ ہمارے اس ادّعا کے ثبوت کیلئے کافی ہے۔ ہمارا یقین اور ایمان ہے کہ جس کسی نے ہمارے ساتھ محض احمدیت کی وجہ سے ظالمانہ اور وحشیانہ کاروائیوں میں حصّہ لیا وہ اسوقت تک نہ مریں گے جب تک وہ خود اسکا نمونہ اس دنیا میں نہ دیکھ لیں باقی اخروی عذاب تو برحق ہے۔

ہمارے بنگلہ پر جن لوگوں نے چڑھائی کی ان میں سے بہت سارے ہماری جوابی کاروائی سے گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ یہ لوگ ہمیں مارنے اور ہمارا سامان لوٹنے سے پہلے ہی واصل جہنم ہوئے۔ ان کی صحیح تعداد کا علم نہ ہوسکا تاہم یہ کافی تعداد میں تھے۔ کیونکہ جب وہ واپس اپنے گھر نہ پہنچے تو ان کے لواحقین انکی تلاش میں آتے رہے۔

صوبیدار غلام سرور خان اور انکے بھتیجے محمد اسرار خان ابن حاجی سلطان سرور خانصاحب کو ان جہادیوں نے ظالمانہ طریق سے شہید کیا اور ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی تاہم جلد ہی یہ اطلاع ملی کہ عزیزم اسرار احمد خان کو جس آدمی نے شہید کیا وہ اور اسکی بیوی دونوں پاگل ہو گئے۔ چنانچہ وہ شخص پشاور کے پاگل خانہ میں بھیج دیا گیا جبکہ اسکی بیوی گھر میں چارپائی کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔

جس شخص نے مکرم غلام سرور کو شہید کیا تھا وہ صرف ایک ماہ گذرنے کے بعد بجلی کی تاریں مین لائن سے کاٹ کر چوری کر رہا تھا۔ بجلی کا کرنٹ لگنے سے جل کر سیاہ ہو کر نیچے گر گیا۔ اسکی وجہ سے لوگوں کی زبان پر تھا کہ اسکا یہ دردناک انجام قادیانیوں پر ظلم کرنے کی وجہ سے ہوا۔

پھر انہی ظالموں میں سے جب کوئی خدائی عذاب کا نشانہ بنتا تو خود ان کے لواحقین علی الاعلان

یہ واویلا کرتے کہ انکے ساتھ یہ سلوک قادیانیوں کو مارنے اور ان کا سامان لوٹنے کی وجہ سے ہوا۔

ٹوپی کے اس سانحہ کے بعد لوگوں میں آئے دن کوئی نئی خبر پھیلتی کہ فلاں آدمی دریا میں غرق ہو گیا۔ اسکی ماں روتی پیٹتی کہتی جاتی تھی:

''میں نہ کہتی تھی کہ قادیانیوں کے مال نہ جلاؤ..

نہ لوٹو ورنہ ہم تباہ ہو جائیں گے''

یہ بھی سننے میں آیا کہ ایسے حالات دیکھ کر لوگوں میں خوف وہراس پھیل گیا اور بعض لوگوں نے احمدیوں کا کافی لوٹا ہوا سامان پولیس سٹیشن ٹوپی میں جمع کرا دیا۔

فیض محمد کے سر پر جس شخص نے گولیاں چلا کر اسے مارنے کی کوشش کی تھی۔ اسکا عجیب حشر ہوا وہ جوا کھیلتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے الجھ گیا۔ ہاتھا پائی سے یہ بات یہانتک پہنچ گئی کہ ان میں سے ایک شخص نے اسکے سر کا نشانہ بنا کر گولی چلا دی۔ جس سے اسکی کھوپڑی دوسرے گھر جا گری اور دور دور تک اسکا دماغ بکھر گیا۔ بعد میں خود اسکے ساتھیوں نے کہا کہ یہ سزا اسکو اسلئے ملی کہ وہ فیض محمد کو بوجہ احمدی ہونیکے مارنا چاہتا تھا۔ وہ اسکا سر اڑانا چاہتا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے اسکو محفوظ رکھا اور اسکا اپنا سر عبرتناک طور پر اُڑ گیا۔

جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ہمارے پاس ایسے ذرائع نہیں ہیں کہ ان تمام لوگوں کا انجام معلوم کر سکیں تاہم جو کچھ ہوا اس سے ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ جہادی ظالم تھے اور وہ خدا کی گرفت سے بچ نہیں سکتے تھے۔

بعض دیہات جہاں سے لوگ ہمیں مارنے اور ہمارا سامان لوٹنے کیلئے آئے تھے ان میں سے بعض دیہات جیسے شکرئی اور خوشحال آباد وغیرہ سیلاب کی نذر ہو گئے۔ وہاں ان مکینوں کو ہمارے سامان کے علاوہ خود اپنا سامان نکالنا نصیب نہ ہوا۔

عزیزم نثار محمد نے ٹوپی کے ایک لوہار کا واقعہ بیان کیا۔ یہ لوہار بڑا معتبر اور حاجی اور بڑی داڑھی والا تھا۔ اسکا ایک کارخانہ تھا۔ جس میں وہ ویلڈنگ اور خراد کا کام کرتا تھا۔ وہ اس رات اپنی

رائفل ایک طرف رکھ کر ہمارے گھر کی چھت سے پنکھا اتار رہا تھا۔ جب وہ پنکھا اتار کر نیچے آیا تو اسکی رائفل غائب تھی۔ اِدھر اُدھر بہت ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ واپس کمرہ میں آیا کہ پنکھا ہی لے لوں۔ جب اندر آیا تو پنکھا بھی غائب تھا۔ وہ اپنے اس دوہرے نقصان پر واویلا مچاتا رہا اور اسکی چیزیں لوٹنے والوں کو بُرا بھلا کہتا رہا۔ لیکن اسکے نزدیک احمدیوں کا مال لوٹنا کارِثواب تھا۔ پھر اسی پر بس نہیں۔ چند دنوں کے بعد عید سے ایک دن پہلے موٹر سائیکل پر کسی کام سے جا رہا تھا کہ اسکا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور اسکی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا۔

ایک خواب اور الٰہی بشارت

۱۹۷۴ء کے فسادات سے چند روز قبل میں نے ایک عجیب خواب دیکھی جس میں خدا تعالیٰ نے قبل از وقت میرے اور میرے خاندان کے غیر معمولی طور پر مشکلات سے بچ نکلنے کی بشارت واضح طور پر دی تھی:

''میں نے دیکھا کہ میں اپنے اہل وعیال سمیت اپنے گھر سے ہجرت کر کے جا رہا ہوں کہ اچانک میرے سامنے ایک سیدھی دیوار کی مانند پہاڑ ہمارے راستہ میں حائل ہے۔ میں نے خدا تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس پر چڑھنا شروع کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ہوا میں تیر کر اس پہاڑ پر چڑھتا چلا جا رہا ہوں۔ کچھ دُور جا کر مجھے خیال آتا ہے کہ میں تو اس پہاڑ پر آسانی سے چڑھ رہا ہوں لیکن میری بیوی بچے اسے کیسے عبور کریں گے۔ اس خیال سے میں پیچھے مُڑ کر دیکھتا ہوں تو میں حیران ہوتا ہوں کہ میرے پیچھے ایک سڑک بنتی چلی جا رہی ہے اور وہ سب بھی بڑی اسانی سے اس پہاڑ پر چڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ جب ہم سب پہاڑ پر چڑھ گئے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بڑا اسلامی لشکر ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بنفس نفیس شامل ہیں۔ اس لشکر کے تمام لوگ جھنڈے اٹھائے ہوئے ہیں اور نعرے لگاتے چلے جا رہے ہیں اتنے میں مجھے حکم ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ٹوپی کی احمدیہ جماعت کے افراد اس لشکر میں سب سے آگے چلیں۔ چنانچہ میں نے اور سب افراد خانہ نے زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا اور ہم نے سب سے آگے چلنا شروع کیا۔ اس وقت میں اسقدر خوش تھا کہ خواب میں نہایت اونچی آواز میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہا۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر کا ورد شروع کر دیا اور اسی حالت میں بیدار ہو کر اٹھ کر بیٹھ گیا اسوقت میری بیوی بھی اس آواز سے بیدار ہو کر اٹھ کر بیٹھ گئی

اور مجھ سے پوچھا کہ کیا ہوا.......؟ جس پر میں نے اسے سارا خواب سنایا''

۸ جون ۱۹۷۴ء کو مجھے اور میرے خاندان کے افراد کو اپنے گھر سے ہجرت کرنا پڑی اور اس تمام رات ہمیں مشکلات کے عظیم پہاڑ سے گزرنا پڑا یہ محض اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی تائید و نصرت کی بناء پر ممکن تھا۔ میرا یہ خواب مجھے تو یاد نہ تھا لیکن جب ہم بخیریت چونیاں میں مکرم کرنل احمد خان کے گھر پہنچ گئے تو میری بیوی نے مجھے مبارکباد دی کہ آپ نے جو خواب دیکھا تھا وہ بعینہٖ پورا ہو گیا۔ میں نے غور کیا واقعی خدا تعالیٰ نے قبل از وقت نہ صرف ان مشکل حالات سے بچ نکلنے کی بشارت دی تھی بلکہ اسکے نتیجہ میں مزید روحانی برکات کا بھی ذکر تھا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک۔

سانحہ ٹوپی سے پہلے اور بعد

حضرت مصلح موعودؓ کی دُعا کا اعجازی نشان

سانحہ ٹوپی کی اس ایمان افروز داستان کے آخر میں بطور تحدیث نعمت اس امر کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان میں احمدیت کا آغاز کیسے ہوا۔ نیز کسطرح دشمنان احمدیت نے اس خاندان کو نیست و نابود کرنے کیلئے ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن خدا تعالیٰ کی غیر معمولی تائید و نصرت سے نہ صرف یہ محفوظ رہا بلکہ ہر آن ترقی پذیر رہا۔ اس ساری داستان کو پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا جس نے اس خاندان کے ایک فرد کو از خود احمدیت کے قبول کرنے کیلئے راہنمائی فرمائی اسی خدا نے اپنی خاص تائید و نصرت سے اس خاندان پر آنے والے ہر ابتلاء کے موقع پر ان کی حفاظت کے سامان فرمائے۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

احمدیت کا آغاز

مکرم صوبیدار عبد الغفور خان صاحب کے والد صوبیدار خوشحال خان صاحب کو احمدیت کی نعمت ایک رؤیاء کی بناء پر نصیب ہوئی۔ مکرم خوشحال خان صاحب خود بیان کرتے ہیں:

''میں نے ایک رؤیا دیکھی کہ ایک بڑے جلسہ میں ایک نورانی شخص وعظ فرما رہے ہیں۔ میں اس ہجوم میں کھڑا تقریر سنتا رہا۔ جب تقریر ختم ہوئی تو اس نورانی شخص نے آواز دی: 'خوشحال ادھر آؤ۔' میں نے ادھر اُدھر دیکھا کہ خوشحال کون ہے۔ پھر فرمایا 'خوشحال خان اِدھر آؤ'۔ میں نے پھر بہت غور سے اِدھر اُدھر دیکھا اور حیران تھا کہ تیسری دفعہ پھر میری طرف اشارہ کر کے فرمایا: 'خوشحال خان افغان اِدھر آؤ۔' میں بہت خوشی سے ان کے پاس پہنچ جاتا ہوں۔ مجھے اپنے ساتھ بغل میں لیکر فرمایا: 'چلو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں چلتے ہیں۔' سب مجمع پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ اتنے میں جاگ آ گئی۔''

مکرم خوشحال خان صاحب مزید لکھتے ہیں:

''چونکہ ہماری پلٹن مردان میں تھی اور خدا کرنا تھا وہاں حضرت قاضی محمد یوسف صاحب سے شناسائی ہوئی۔ میں نے ان سے اپنی رؤیاء کا ذکر کیا۔ اس وقت احمدیت کا کوئی علم نہیں تھا۔ بلکہ قادیانوں کے خلاف قسم قسم کے پروپیگنڈے سنے جارہے تھے۔ میں قاضی صاحب کی علمی وروحانی شخصیت سے متاثر ہوگیا تھا۔ انہوں نے کافی وعظ کے بعد قادیان میں حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کے متعلق بتایا۔ پھر جب میں اپنے گاؤں آیا تو میرے گاؤں کے ساتھ گاؤں ٹوپی میں حضرت صاحبزادہ عبد اللطیف صاحب لودھی افغان بھی احمدیت قبول کر چکے تھے۔ وہ چونکہ بہت علمی اور روحانی خاندان سے تعلق رکھتے تھے، علاقہ میں بہت عزت واحترام رکھتے تھے۔ ان سے بھی ملاقاتوں کا موقعہ مل جاتا تھا۔ ان کے اصرار پر دسمبر جلسہ سالانہ پر جانے اور قاضی صاحب کے کہنے پر کہ دیکھو ایک آواز حضرت مرزا صاحب کی تھی۔ تمہیں بلایا تمہیں معلوم ہوا مگر نہیں گئے۔ دوسری آواز حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ کی تھی، تم نہیں گئے۔ اب تیسری آواز حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی آگئی ہے۔ تم جا کر دیکھ لو۔

ان دنوں میرے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک قریب الموت بیمار تھا۔ مگر ان حضرات کے ارشاد پر میں ان کے ہمراہ قادیان چلا گیا۔ وہاں چند اور بزرگ بڑے بڑے خاندانی پٹھان بھی قادیان جلسہ میں تھے جو احمدیت قبول کر چکے تھے۔ جب صوبہ سرحد کے پٹھانوں کی ملاقات حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ سے ہورہی تھی تو میں نے وہ نورانی چہرہ پہچان لیا جس نے مجھے گود میں پکڑ کر مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں پہنچا دیا تھا۔ میں نے سب ساتھیوں سے کہہ دیا کہ میں بیعت کرتا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت بیعت کر لی۔''

خاندان کیلئے اذیت ناک المیہ

حضرت قاضی محمد یوسف صاحب نے صوبیدار خوشحال خان صاحب کی رؤیا کی جو تعبیر کی اور ان کو قادیان جانے کی تحریک کی، وہ بالکل درست ثابت ہوئی۔ اور اس طرح نہ صرف ان کو ہدایت نصیب ہوئی بلکہ یہ بیعت ان کے خاندان کیلئے کئی برکات کا موجب بنی۔ ان برکات کا کماحقہ ادراک کرنے سے قبل میں ایک اذیتناک تکلیف کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں کہ جو نسل بعد نسل ان کے خاندان میں چلی آرہی تھی اور حضرت مصلح موعودؓ کی دعا کے نتیجہ میں یکسر دور ہو گئی۔ مکرم صوبیدار عبدالغفور خان صاحب اس تکلیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے خاندان میں کئی نسلوں سے دو نرینہ اولاد پیدا ہو جاتے۔ ان میں سے ایک لاولد وفات پاتا اور دوسرے کو خدا تعالیٰ دو نرینہ اولاد عطا فرماتا۔ پھر جوانی میں ہی ایک لاولد انتقال کرتا۔ اسطرح میرا خاندان نرینہ جوانوں سے محروم رہنے کی وجہ سے ہمارے چچازاد بہت جابر اور ظالم ہو کر ہماری جائیداد پر زبردستی قبضہ کر کے ہمارے پڑدادا کو جلاوطن کر دیا۔ میرے پڑدادا مردان میں بغدادہ محلہ میں آگئے۔ وہاں سب وقتاً فوقتاً فوج میں بھرتی ہو کر گزراوقات کرتے رہے۔ چنانچہ میرے والد صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی فوج میں بھرتی ہوئے اور ترقی کرتے کرتے دونوں نائب صوبیدار یعنی وائسرائے کمیشنڈ آفیسر کے عہدہ تک پہنچ گئے۔ میرے چچا سلطان احمد خان جمعدار (نائب صوبیدار) ہوئے۔ انہوں نے شادی کی مگر قدرت نے وہی چکر چلا دیا۔ وہ ایک جنگ میں لاولد شہید ہو گئے۔ ایک بیوہ چھوڑ گئے اور میرے والد کو خدا تعالیٰ نے دو بیٹے عطا فرمائے۔ والد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک روشن رؤیا سے یوں نکالا۔''

قسمت کا ستارہ چمک گیا

صوبیدار خوشحال خان جب پہلی دفعہ قادیان جا رہے تھے تو اس وقت ان کا دوسرا بیٹا شدید

بیمار تھا اور یہ نظر آرہا تھا کہ سابقہ روایات کے مطابق وہ چند دن کا مہمان ہے اور بظاہر اس کے بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔ چنانچہ ایک والد کے ناطہ سے جب خانصاحب کی ملاقات حضرت مصلح موعودؓ سے بیعت کے بعد ہوئی تو انہوں نے اس خاندانی روایت کا ذکر حضور سے کیا۔ نیز اپنے بیٹے کیلئے دعا کیلئے درخواست کی۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے صوبیدار عبدالغفور خان صاحب فرماتے ہیں:

''بیعت کرنے کے بعد میرے والد نے اپنی تمام غمزدہ کہانی، مشکلات، جائیداد پر زبردستی قبضہ اور بیٹے کی قریب الموت بیماری کا ذکر کہ دو بیٹوں میں سے ایک کی شدید بیماری، موت کا خوف اور نسل بعد نسل دو بیٹوں میں سے ایک کی لاولد وفات کی کہانی مختصر بیان کی۔ حضور ہر واقعہ سن کر میرے والد صاحب کے حق میں دعا فرماتے جاتے اور ان کو روحانی سکون و تسلی ملتی گئی۔''

جلسہ سالانہ کے اختتام پر مکرم خوشحال خان صاحب قافلہ کے ساتھ قادیان سے واپس آگئے لیکن اس بیعت اور حضور کی دعا سے اس خاندان کی کایا پلٹ گئی جس کا مختصر ذکر مکرم خوشحال خان صاحب نے ان الفاظ میں کیا:

''میری قسمت کا ستارہ چمک گیا۔ قادیان سے واپس آنے کے بعد اپنے افسروں کی مدد سے میں نے اپنے مخالفین کے خلاف دعویٰ دائر کیا۔ میں نے مقدمہ جیت لیا اور خدا کے فضل سے تمام جائیداد کا قبضہ بھی لے لیا۔ میرا وہ بیٹا بفضلہٖ تعالیٰ صحت یاب ہوا اور لمبی عمر پائی۔''

مسیحی نفس کا اعجاز

صوبیدار خوشحال خان صاحب کے بیمار اور قریب المرگ بیٹے کی صحتیابی کوئی معمولی امر نہ تھا۔ یہ ایک قسم کی احیاء موتی کی صورت تھی۔ اس خاندان میں صدیوں سے نسل در نسل یہ خطرناک بیماری موجود تھی لیکن قبول احمدیت اور حضرت مصلح موعودؓ کی دعا سے نہ صرف انکا بیٹا موت کے

منہ سے بچ گیا بلکہ صاحب اولاد ہوا اور آئندہ کیلئے سارے خاندان سے یہ نحوست ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئی۔ حضرت مصلح موعودؓ کی پیشگوئی میں اس کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا تھا:

''اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔''

حضرت مصلح موعودؓ کے متعلق اس الہام کی صداقت مکرم خوشحال خان صاحب کے خاندان میں اعجازی رنگ میں پوری ہوئی۔ صوبیدار صاحب جب قادیان گئے تو اس وقت ان کے دو بیٹے تھے۔ جن میں سے ایک کی اذیت ناک بیماری کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن بیعت اور حضرت مصلح موعودؓ کی دعا سے انکا نہ صرف وہ بیمار بچہ صحت یاب ہو گیا بلکہ آئندہ مزید دو شادیوں کے نتیجہ میں ان کے ہاں بچے پیدا ہوتے چلے گئے اور بیماری سے محفوظ رہے۔ جب صوبیدار صاحب کی شہادت 1942ء میں ہوئی تو اس وقت ان کی اولاد کے تیرہ افراد زندہ تھے جن میں سے نو بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں۔ اب انکی اولاد در اولاد بھی ہر لحاظ سے ترقی پذیر ہے اور دنیا میں مختلف ممالک میں پھیل چکی ہے۔ پرانی دو بچوں والی روایت یکسر بدل چکی ہے۔ کیا یہ مسیحائی اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟

اس وقت اس خاندان کے افراد کی تعداد سینکڑوں ہو چکی ہے اور دن بدن یہ خاندان بڑھ رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صوبیدار صاحب کے خاندان میں پیدا ہونے والے ہر بچہ کی پیدائش اور اس کی زندگی اعجاز خداوندی کا اور احمدیت کی صداقت کا زندہ ثبوت ہے۔ اس پس منظر میں اگر اس کتاب ''سانحہ ٹوپی'' کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت الم نشرح ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے نہ صرف صوبہ خیبر پختون خواہ کے اس خاندان کو دشمنان احمدیت کے بدعزائم سے محفوظ رکھا بلکہ اپنے دست قدرت سے اس خاندان کے تمام تر افراد کی حفاظت فرمائی اور ان کے تمام دنیا میں پھیلنے اور دینی دنیوی ترقیات کے حصول کیلئے غیر معمولی راستے کھول دئے۔ یقیناً اس میں تمام اہل بصیرت لوگوں کیلئے بے شمار نشانات موجود ہیں۔

❁

حرفِ آخر

صوبہ خیبر پختونخواہ کے شہر ٹوپی کا یہ سانحہ اہل بصیرت لوگوں کیلئے اپنے اندر بہت اسباق رکھتا ہے۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ان حقائق کا تجزیہ کر کے اس سے نصیحت حاصل کی جائے، اس سے قبل ۱۹۵۳ء میں جماعت کے خلاف جو تحریک چلائی گئی اور منیر انکوائری رپورٹ میں واضح طور پر اسکی نشاندہی کی گئی لیکن کسی نے اس پر عمل پیرا ہونیکی کوشش نہیں کی اسی وجہ سے ۱۹۷۴ء میں اس سے بڑھ کر نقصان پہنچا اور آہستہ آہستہ ملک مذہبی منافرت اور دہشت گردی کی ایسی دلدل میں پھنستا چلا گیا کہ اب اس سے بچ نکلنا ممکن نظر نہیں آرہا۔ غضب یہ ہے کہ اسلام جس نے کسی ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے اس مذہب کے ماننے والے بلا دھڑک ایک دوسرے کے گلے کاٹ رہے ہیں اور مذہبی ٹھکیدار اسے جنت کے حصول کا آسان ذریعہ قرار دیکر نوجوان نسل کو اس پر اکسانے میں لگے ہوئے ہیں۔ گویا ساری اقدار کو الٹا دیا گیا ہے۔ جس امر کو قرآن مجید جہنم قرار دیتا ہے اسے خوبصورت اور دلنواز جنت کے روپ میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اگر ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس گھناؤنے کھیل کی ابتدا سیاسی ملاؤں نے حفاظت ختم نبوت کے مقدس نام سے شروع کی۔ اسوقت سیاسی راہنما اور ملک میں امن وامان قائم کرنیوالے اس چال کو نہ سمجھ سکے اور اسے بظاہر ایک کمزور جماعت کے خلاف آواز سمجھ کر صرفِ نظر کرتے رہے۔ بعد میں بعض سیاسی طالع آزما سیاستدانوں نے انکو اپنے مفاد کیلئے آلہ کار بنانا شروع کیا۔ اسطرح ملک میں مذہبی منافرت جسے بانی پاکستان حضرت قائداعظم نے یکسر ختم کر دیا تھا اور یہی انکی کامیابی کا راز تھا، آہستہ آہستہ پروان چڑھنا شروع ہوئی۔ اب یہ اسقدر مضبوط ہو چکی ہے کہ خود سیاستدان ان سے خوفزدہ ہو کر انکے ایجنڈا کے ہمنوا بن گئے ہیں اور ان سے جان چھڑانا بھی چاہیں تو یہ ان کو ممکن نظر نہیں آتا بلکہ انکو خوش کرنے میں اپنی عافیت سمجھتے ہیں۔ یہ صورتحال انتہائی طور پر تشویشناک ہے۔

❁

تاریخ پاکستان سے واقف ہر شخص یہ بخوبی جانتا ہے کہ اس وقت ملک میں تمام وہ مذہبی تنظیمیں جو تشدد کی سیاست کی علمبردار ہیں اور ملک میں مذہبی منافرت کو ہوا دے رہی ہیں، وہ قیام پاکستان کی تحریک کی نہ صرف شدید مخالف تھیں بلکہ کانگریس کی ہمنوا تھیں۔ پاکستان میں پناہ لینے کے بعد انہوں نے اپنی ساکھ قائم کرنے کیلئے تاریخ پاکستان کو مسخ کرنے کی کوشش کی اور یہ باور کرانا چاہا کہ اس ملک کا قیام ان کے مزعومہ اسلامی نظام کو نافذ کرنے کیلئے کیا گیا تھا اور یہ نعرہ بلند کرنا شروع کیا:

پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ

اگر پاکستان کے قیام کی یہی غرض تھی تو پھر ہم ان سے پوچھنے کا یہ حق رکھتے ہیں کہ وہ اس کے قیام کے کیوں مخالف تھے۔ کیا کانگریس سے مل کر وہ اپنے اس مقصد کو حاصل کر سکتے تھے۔ یہ الگ امر ہے کہ ایک مسلم اکثریت کے ملک میں اس کا نظام لازمی طور پر اسلامی ہونا چاہئے۔ لیکن جب ہر مذہبی تنظیم اسلام کی الگ تعبیر کرتی ہے تو پھر کون سی تعبیر سب کیلئے قابل قبول ہو سکتی ہے۔ اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ملک میں امن کی ایسی فضا ہو کہ ہر تنظیم اپنے دائرہ میں رہ کر اسلامی تعلیم پر عمل کرنے کی کوشش کرے۔ ورنہ اگر ایک خاص طبقہ کی اسلامی تعبیر وتفسیر نافذ کرنے کی کوشش کی جائے گی تو وہ دوسروں کیلئے ہرگز قابل قبول نہ ہوگی اور اسکا لازمی نتیجہ تصادم اور فساد ہوگا۔ اس وقت تک تمام مساعی کا نتیجہ یہی نظر آ رہا ہے۔

حضرت قائداعظم اس حقیقت کو بخوبی جانتے تھے۔ ان کے پیش نظر مسلمانوں کا سیاسی اور اقتصادی تحفظ تھا۔ آپ کو اور دیگر صاحب بصیرت مسلم زعماء کو یہ نظر آ رہا تھا کہ آزاد ہندوستان میں مسلمان پھر بھی بدستور خطرہ میں رہیں گے۔ کسی نے کبھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ پاکستان کا اسلئے مطالبہ کرتے ہیں کہ "اسلام خطرہ میں ہے" بلکہ مسلم قوم خطرہ میں تھی۔ اسی بناء پر حضرت قائداعظم کسی گروہی مسلمان گروپ کے ترجمان نہ تھے بلکہ ہر کلمہ گو کو مسلمان گردانتے تھے اور ہر طبقہ کے مسلمانوں کی آواز تھے۔ مسلم لیگ کے دروازے ہر کلمہ گو کیلئے کھلے تھے۔ کوتاہ نظر مذہبی تنظیموں کو

یہ امر قابل قبول نہ تھا۔اسی وجہ سے وہ مسلم لیگ کی بجائے کانگریس کے ہمنوا تھے۔ یہ مؤقف بھی مسلم لیگ کو ناکام بنانے کیلئے اختیار کیا گیا تھا۔

آج مسلم لیگ کئی مختلف ناموں میں بٹ چکی ہے۔لیکن ہر ایک مسلم لیگ حضرت قائداعظم کی مسلم لیگ کے اصولوں سے کوسوں دور ہے۔ جب تک یہ قائد کے بنیادی اصول اپنانے کیلئے تیار نہیں ملک میں امن وامان کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔آج مذہبی جماعتیں تشدد پسند بلکہ دہشت پسند بن چکی ہیں۔بعض حکمرانوں نے ان سے مرعوب ہو کر حکومتی سطح پر مسلمانوں کی تعریف کرنے کا تجربہ بھی کیا۔ بعد میں بعض فوجی آمر اس کا فائدہ اُٹھا کر ملک میں مذہبی جنون کو مزید ہوا دے کر اپنے تسلط کو طول دیتے رہے۔

افسوس بانی پاکستان حضرت قائداعظم کو اتنی فرصت نہ ملی کہ وہ پاکستان کو اپنی مزعومہ فلاحی ریاست بنا سکتے۔انکی جلد وفات کے بعد آہستہ آہستہ ملک میں اسے مذہبی ریاست میں تبدیل کرنے کی کوششیں شروع ہوگئیں۔ چنانچہ قائداعظم کی وفات کے چھ ماہ بعد قرارداد مقاصد تیار کر کے اسمبلی میں منظوری کیلئے پیش کر دی گئی۔ایک ایسا ایوان جس کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہو،اس کیلئے ایسی قرارداد کی منظوری کوئی مشکل امر نہ تھا۔اسلام کے ان بنیادی امور کی روشنی میں آئین کی تیاری مناسب تھی لیکن مذہبی جماعتوں نے اس کو بنیاد بنا کر ملک میں اپنے مزعومہ اسلامی نفاذ کیلئے مطالبات کی بھرمار کر دی۔ چونکہ اسلامی نظام کی تعبیر اور تشکیل پر مذہبی گروپوں کی رائے مختلف تھی اس لئے باہمی مذہبی کشیدگی اور قتل و غارت کا ملک میں بازار گرم ہوتا چلا گیا۔ملک میں موجودہ فتنہ وفساد کا اگر تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہمیں اصل نظریہ پاکستان کی طرف لوٹ جانے کی ضرورت ہے جس میں تمام لوگ اسلام کے ان اصولوں کی روشنی میں پرامن شہری کے طور پر زندگی بسر کرسکیں۔کسی خاص مذہبی نقطہ نظر سے اسے اسلامی ریاست میں تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کام صرف خدا تعالیٰ قائم کردہ خلافت سے ممکن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ملک میں مختلف مذہبی جماعتوں کو، جو متضاد نظریات رکھتی ہیں، ان کو ایک

پلیٹ فارم پر کسی صورت پر اکٹھا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کام صرف خدا تعالیٰ کی قائم کردہ روحانی خلافت سے ممکن ہے۔ ماضی میں اس کے کئی تجربات ہو چکے ہیں لیکن ہر تجربہ مزید خرابیوں کا باعث بنا ہے۔ حکومت کا صرف یہ فرض ہے کہ وہ مذہبی تعصّبات سے بالا ہو کر ملک میں امن وامان کی ایسی فضا پیدا کرے کہ ہر تنظیم اپنے دائرہ میں رہ کر کام کرے اور دوسروں پر زبردستی اپنے نظریات ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے۔ جب سے ہمارے حکمران حضرت قائداعظم کے اس بنیادی اصول سے منحرف ہوئے ہیں، ملک فتنہ و فساد کی دلدل میں پھنستا چلا گیا ہے۔ کاش ہمارے حکمران اس بنیادی نقطہ کو سمجھ سکیں اور ملک کو اس جنون سے نجات دے سکیں۔

تعارف مصنف

مصنف : صوبیدار عبدالغفور خان ولد صوبیدار خوشحال خان شہید

پیدائش : 25 نومبر 1922ء کو موضع مینی تحصیل و ضلع صوابی صوبہ خیبر پختونخواہ

تعلیم : ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔1935ء میں والد صاحب نے قادیان تعلیم الاسلام ہائی سکول میں داخل کروایا۔ وہاں بورڈنگ تحریک جدید میں جسمانی اور روحانی تربیت کا انتظام تھا۔ بعض اوقات حضرت مصلح موعودؓ بورڈنگ میں مع بعض اصحاب تشریف لاتے اور طلباء کی کارکردگی کا جائزہ لیتے۔ ہر ماہ کی آخری جمعرات تعطیل ہوتی اور گرمیوں میں سب طلباء قادیان کے قریب نہر پر پکنک کیلئے جاتے۔ بعض مواقع پر حضور بھی تشریف لے آتے۔ طلباء میں باہمی تیراکی کے مقابلے ہوتے۔ حضور بھی ان مقابلوں میں شریک ہوتے۔ غرض قادیان میں تعلیم کے چند سال دینی و دنیوی تعلیم کے علاوہ ذہنی اور جسمانی تربیت کیلئے غیر معمولی مفید ثابت ہوئے۔

ملازمت : جنگ عظیم دوم کے شروع ہونے کے بعد 1940ء میں فوج میں بھرتی ہوگئے۔ اپنی محنت اور کام سے لگن کے نتیجہ میں جلد کئی مراحل طے کرتے ہوئے صوبیدار بن گئے۔ اس دوران کھیلوں میں بڑا نام پیدا کیا۔ خاص طور پر آپ کا انتخاب آل انڈیا ہاکی ٹورنامنٹ میں فرسٹ الیون میں ہوگیا اور آپ کی ٹیم سب ٹیموں کو شکست دے کر فائنل جیت گئی۔

1945ء میں جب جنگ ختم ہوگئی تو فوج سے فارغ ہو کر گھر واپس آگئے اور ٹوپی میں اپنا نیا بزنس شروع کیا جو ترقی پزیر تھا۔

درویش قادیان : 1947ء میں تقسیم ملک کے بعد قادیان چونکہ ہندوستان میں چلا گیا اس لئے مرکز احمدیت کو کئی خطرات درپیش تھے۔ اس کیلئے حضرت مصلح موعودؓ نے حفاظت مرکز کیلئے جماعت سے والینٹرز کی اپیل کی۔ آپ ان خوش قسمت افراد میں سے تھے جن کو یہ سعادت ملی۔ اور آپ اپنا کاروبار چھوڑ کر قادیان چلے گئے۔ وہاں آپ کو حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کی نگرانی میں بطور افسر

حفاظت قادیان خدمت کی غیر معمولی توفیق ملی۔اس طرح سے آپ کو ان 313 درویشان قادیان میں شامل ہونے کا اعزاز نصیب ہوا۔آپ کا درویش نمبر 175 تھا۔آپ 1948ء میں قادیان سے آخری قافلہ میں حضرت مصلح موعودؓ کی اجازت سے واپس پاکستان آئے۔

افسر حفاظت : 1954ء میں جب مسجد مبارک ربوہ میں حضرت مصلح موعودؓ پر ایک شخص نے قاتلانہ حملہ کیا تو اس کے بعد حضور کی حفاظت کیلئے بہتر انتظام کی ضرورت محسوس ہوئی۔اس غرض کیلئے مکرم صوبیدار صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں اور آپ نے انتہائی فرض شناسی سے متواتر کئی سال تک حضرت مصلح موعودؓ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی حفاظت کا فرض سرانجام دیا۔

شادی اور اولاد : مکرم صوبیدار صاحب کی شادی ٹوپی کی نہایت ہی بزرگ شخصیت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی بیٹی سے ہوئی۔اس کے بطن سے آپ کے ہاں چھ بچے پیدا ہوئے جن میں سے تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔عزیزان شیر علی بشارت، اعجاز احمد خان اور امتیاز احمد خان امریکہ میں مقیم ہیں اور جماعتی خدمات میں مصروف ہیں۔تین بیٹیوں میں سے ایک ربوہ میں اور دو جرمنی میں مقیم ہیں۔خدا تعالیٰ نے سب کو اولاد کی نعمت سے نوازا ہے۔

تعارف ناشر

محمد اجمل شاہد صاحب کی پیدائش یکم جنوری ۱۹۳۱ء بمقام فیصل آباد ہوئی۔ والد محترم چوہدری سر بلند خانصاحب کو سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے دستِ مبارک پر ۱۹۰۴ء میں بیعت کا شرف حاصل ہوا۔

آپ نے مولوی فاضل ۱۹۴۹ء میں، شاہد جامعۃ المبشرین سے ۱۹۵۲ء میں اور ایم اے عربی و اسلامیات ۱۹۶۴ء، ۱۹۸۳ء میں مکمل کی۔

۱۹۵۳ء تا ۱۹۵۹ء ایسٹ پاکستان (بنگلہ دیش) میں بطور مربی پہلا تقرر ہوا۔ بعد ازاں ۱۹۶۰ء میں ساہیوال اور ۱۹۶۱ء تا ۱۹۶۵ء پشاور میں تقرر رہا۔ ۱۹۶۶ء تا ۱۹۷۱ء کراچی میں تقرر رہا۔ اس عرصہ میں قرآن مجید اور سیرت النبیؐ پر تین شاندار نمائشوں کا انتظام کیا۔

۱۹۶۷ء میں حکومت کی طرف سے راولپنڈی میں جشنِ نزول قرآن مجید کی چودہ سو سال کی تقریب میں جماعت کی نمائندگی کی۔ ''اسلام اور امنِ عالم'' کا مضمون حاضرین میں تقسیم کیا گیا۔

۱۹۷۲ء تا ۱۹۸۱ء۔ تقریباً دس سال تک نائجیریا میں بطور امیر و مشنری انچارج خدمت کی توفیق ملی۔ اس عرصہ میں وہاں کی ایک اہم زبان یوروبا میں قرآن مجید کے ترجمہ کے دو ایڈیشن شائع کئے۔ تمام ملک میں تقریباً یکصد مساجد (نئی اور بعض پرانی گرا کر) تعمیر کروائیں۔

لیگوس میں احمدیہ سیٹلمنٹ کا آغاز کیا جہاں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ۱۹۸۰ کے دورہ میں مشن ہاؤس، احمدیہ ہسپتال اور سنٹرل مسجد کے سنگِ بنیاد رکھے۔

تصانیف:

☆اسلامی نماز ☆اسلامی دعائیں ☆پولوس۔ موجودہ عیسائیت کا بانی

☆اسلام اور امن عالم ☆تعبیر الرؤیا ☆ملاحظات نیاز فتحپوری

☆مودودیت۔ منزل بہ منزل ☆Decade of Progress

☆Interpretation of Dreams ☆صوبہ سرحد میں احمدیت کا نفوذ

☆Homeopathy: Selected Family Cures

احمدیت کا نفوذ
صوبہ خیبر پختونخواہ میں

مرتبہ : محمد اجمل شاہد سابق مشنری پشاور
وسابق امیر و مشنری انچارج نائیجیریا

صوبہ خیبر پختونخواہ میں احمدیت کا نفوذ نہایت مؤثر رنگ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ مسیحیت کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ درحقیقت خدا تعالیٰ نے حضور کے دعویٰ سے قبل ہی بعض سعید فطرت لوگوں کو آپ کے قبول کرنے کے لئے تیار کر دیا تھا۔ احمدیت کے نفوذ کی یہ دلچسپ داستان بہت ہی ایمان افروز ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ؒ نے اپنے ایک پیغام میں جماعت کے ان اوّلین اکابرین اور عمائدین جو صوبہ کے نہایت ہی معزز خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے، کو محفوظ کرنے کی ہدایت فرمائی تھی تا کہ یہ تاریخ بعد میں آنے والی نسلوں کیلئے مشعل راہ کا کام دے۔ مولانا موصوف نے حضور کے اس ارشاد کی تعمیل میں کما حقہ کوشش کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے اس علاقہ میں گذشتہ ایک صدی کے عرصہ میں ہونے والی تدریجی ترقیات اور جماعت پر آنے والے ابتلاؤں کی تاریخ کو بھی محفوظ کیا ہے۔ اسی بناء پر بعض مبصرین نے اسے صوبہ میں احمدیت کا انسائیکلو پیڈیا قرار دیا ہے۔ یہ کتاب ایک تاریخی اور علمی خزینہ ہے جو قارئین کی انتہائی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

خاکسار
شمس الدین اسلم
سابق نائب امیر اوّل و ناظم مجلس انصار اللہ خیبر پختونخواہ

صوبیدار خوشحال خان صاحب (۱۸۶۸ـ۱۹۴۲) مورخہ ۲۹
مئی ۱۹۴۲ء کو نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد جب اپنے گھر مینی جا رہے
تھے کہ راستہ میں معاندین احمدیت نے آپ کو شہید کر دیا۔
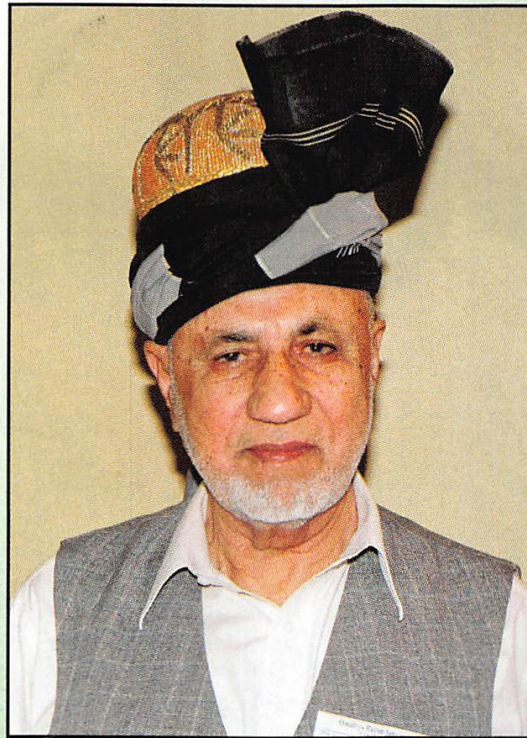
صوبیدار عبدالغفور خان صاحب
سابق افسر حفاظت ربوہ
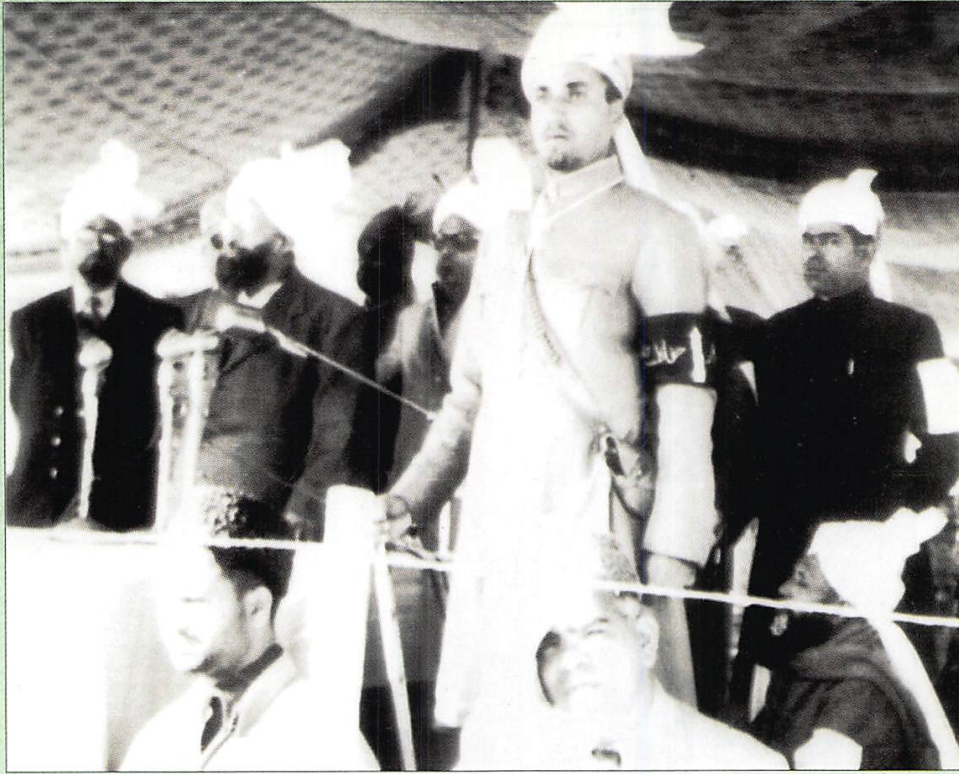
جلسہ سالانہ ربوہ میں حضرت مصلح موعودؓ کے خطاب کے وقت
صوبیدار عبدالغفور خان صاحب ڈیوٹی پر مستعد کھڑے ہیں

حضرت مصلح موعودؓ کی آخری بیماری کے دوران صوبیدار عبدالغفور خان صاحب حضور کو سہارا دے رہے ہیں
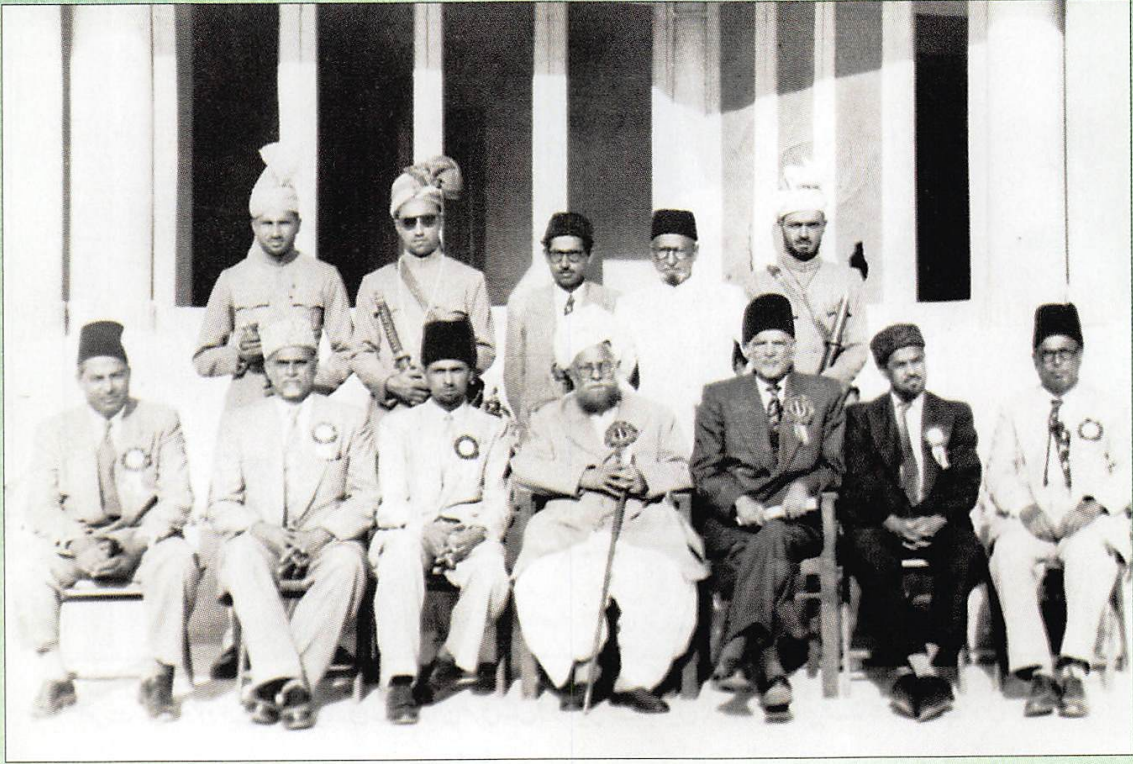
حضرت مصلح موعودؓ کے باڈی گارڈ کے طور پر (پیچھے سیاہ چشموں میں) مکرم صوبیدار صاحب ڈیوٹی پر کھڑے ہیں

حضرت مصلح موعودؓ مجلس عاملہ جماعت احمدیہ کراچی کے ساتھ
حضورؓ کے بائیں جانب مکرم صوبیدار عبدالغفور صاحب افسر حفاظت بیٹھے ہیں

حضرت مصلح موعودؓ اپنی آخری بیماری کے دوران مری میں (دائیں سے بائیں) مولوی محمد اشرف ناصر صاحب مربی سلسلہ، صوبیدار عبدالغفور خان صاحب، حضرت مصلح موعودؓ، حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ، ڈاکٹر میاں منور احمد صاحب

جماعت احمدیہ ٹوپی کے افراد جماعت حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ساتھ 1973ء کے جلسہ سالانہ کے موقع پر

کھڑے ہوئے (بائیں طرف سے) منیر احمد رفیق، علی بہادر خان، طاہر احمد خان (میری لینڈ)

سلطان احمد، شیر علی خان بشارت (ورجینیا)، میجر صاحبزادہ نورالدین مشتاق صاحب، محمد شیر صاحب،

اعجاز احمد خاں صاحب (ڈیٹرائٹ)، فیض محمد خاں صاحب (جرمنی)، بشیر احمد صاحب، غلام رسول صاحب،

(کرسیوں پر) سلطان شیر صاحب، رسالدار فضل الٰہی صاحب، صاحبزادہ عبدالحمید خان صاحب، حضرت خلیفۃ المسیح

الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ، صوبیدار عبدالغفور خاں صاحب، صوبیدار غلام سرور صاحب (شہید جون ۱۹۷۴)، پروفیسر مرزا

منظور احمد خاں صاحب (وفات جون ۱۹۷۴)، مرزا محمود احمد صاحب، مرزا محمد احمد صاحب
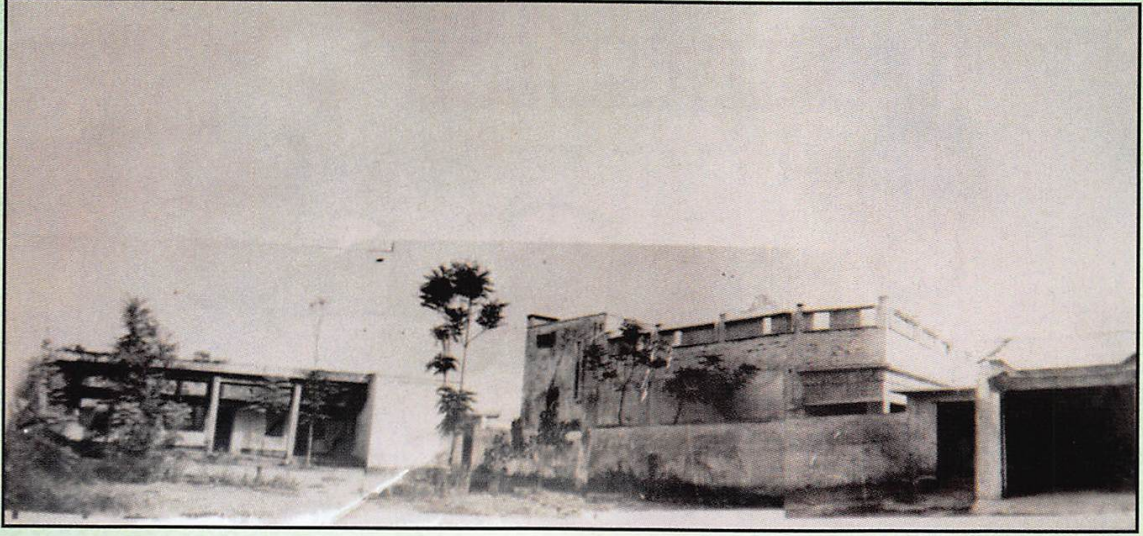
موضع ٹوپی کا وہ تاریخی بنگلہ جہاں ۱۹۷۴ء میں گنتی کے چند احمدیوں کو مارنے اور لوٹنے کیلیئے ہزارہا قبائلی حملہ آور ہوئے
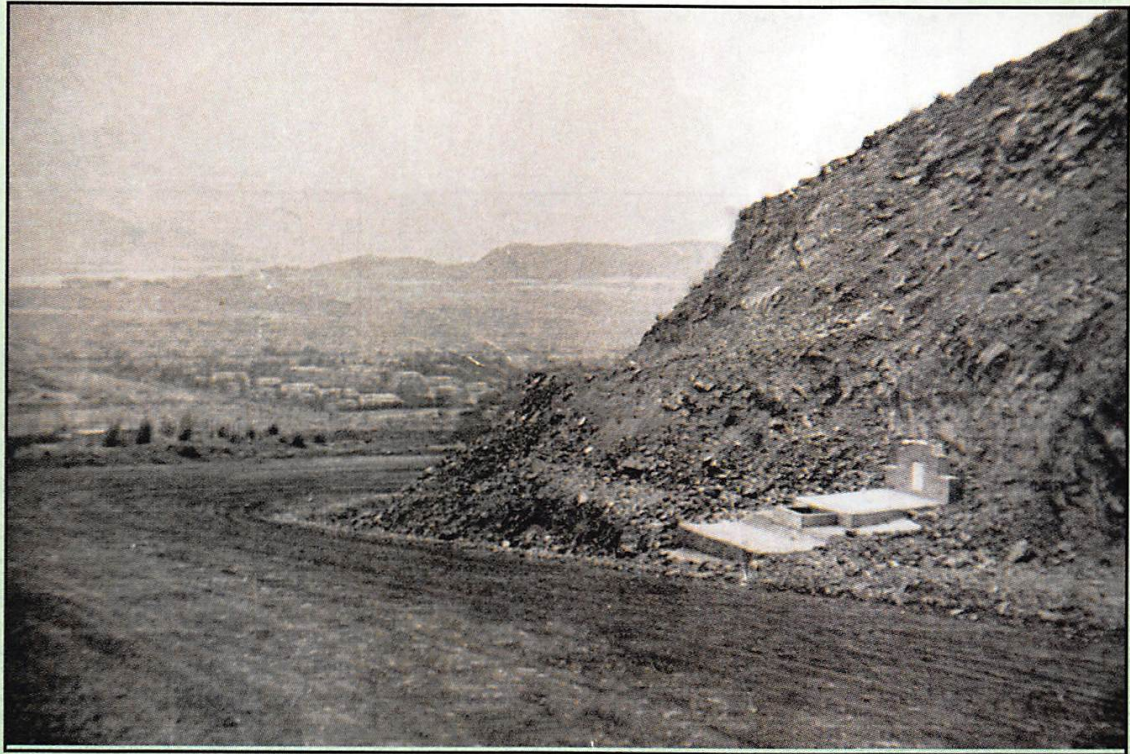
پہاڑ کی چوٹی پر وہ مصلیٰ جہاں معجزانہ طور پر پانی دستیاب ہوا

صوبیدار عبدالغفور خان صاحب اپنے دو بیٹوں اعجاز احمد خان (بائیں) اور شیر علی بشارت خان کے ساتھ بیٹھے ہیں

امتیاز احمد خان صاحب
ابن صوبیدار عبدالغفور خان صاحب
سانحہ ٹوپی کے کم عمر مجاہد

فیض محمد خان صاحب
حال مقیم جرمنی آپ کو ٹوپی میں
قریب المرگ سمجھ کر چھوڑ دیا گیا

بلال احمد ابن فیض محمد خاں صاحب
سانحہ ٹوپی کے وقت
آپ صرف دو سال کے تھے

(دائیں طرف) شیر علی بشارت خان صاحب۔ عبدالحکیم صاحب اپنے دوستوں کے ساتھ ٹوپی کے حجرہ کے سامنے
عبدالحکیم صاحب مکرم صوبیدار صاحب کے خاندانی کارندے تھے۔ انہوں نے سانحہ ٹوپی میں اہم کردار ادا کیا

(دائیں طرف سے) اعجاز احمد خان صاحب، صلاح الدین صاحب، صوبیدار عبدالغفور خان صاحب، محمد اجمل شاہد صاحب
میجر حمید احمد صاحب، شیر علی بشارت خان صاحب اور کشور خان ابن مولوی آدم خاں صاحب آف مردان

SANIHA TOPI

Miraculous Escape During 1974 Agitation

Saniha Topi is a vivid description of the circumstances prevailing in Pakistan against Ahmadiyya Jamaat in 1974, particularly in Topi, a town in district Sawabi, Khyber Pakhtun Khawa. At that time the agitation against Ahmadiyya Jamaat, led by some religious groups, had the full support and backing of law enforcing agencies of Bhutto regime. The innocent Ahmadies were attacked, killed and their properties were destroyed, burnt and looted. They were denied the basic necessities of life and even their dead bodies were not allowed to be buried in graveyards. Due to this critical condition, many have to leave their homes and hearths and to take shelter in other places.

Topi is a small town in district Swabi, where an active Jamaat was existing. The town is near to Kotha Sharif a well known place of Hazrat Said Amir[rh] who predicted the appearance of Hazrat Imam Mehdi *alaihissalaam* from Punjab. Many of his followers joined Ahmadiyya Jamaat, who were spread in different parts of the province, including Topi.

During the agitation, which was fully sponsored by the central government, the members of Topi Jamaat were also attacked by thousands of miscreants and illiterate tribal people. How God THE ALMIGHTY saved them is a very faith enhancing story, which is described by Subedar Abdul Ghafoor Khan, ex Afsar Hifazat Rabwah and rearranged properly with necessary additions by M.A Shahid.

Subedar
Abdul Ghafoor Khan